مئی 2014، قیمت 10 ₹

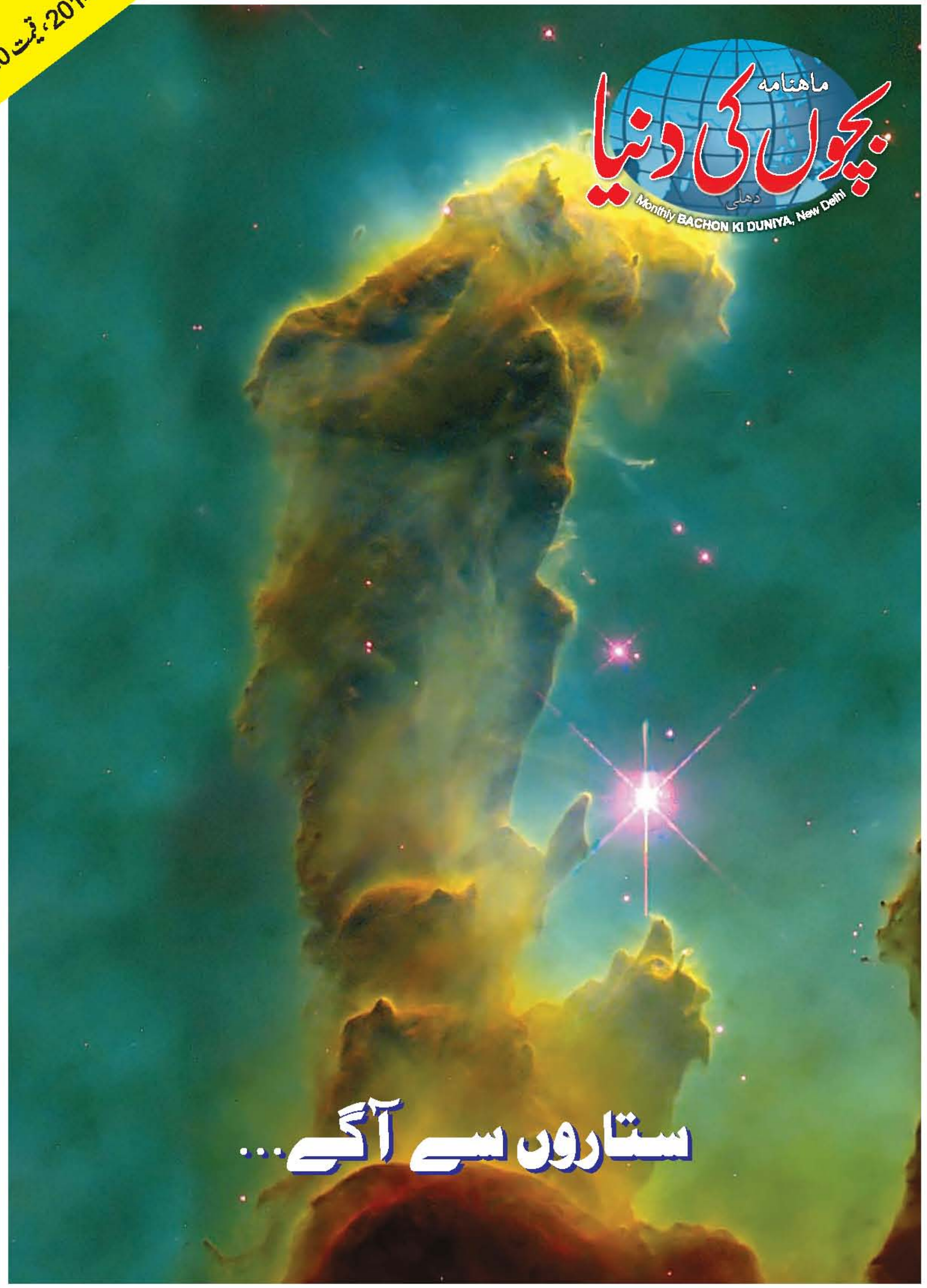

BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2014, Vol. 02, Issue: 05
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL (S) - 01/3439-2013-15
Date of Publication : 11/04/14
Date of Dispatch : 12 and 13 of Advance Month

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

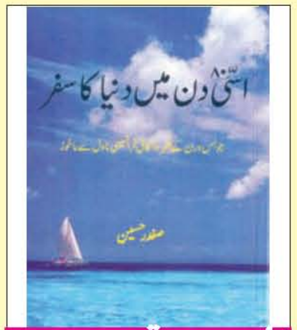

صفحات:172 قیمت:20 روپے

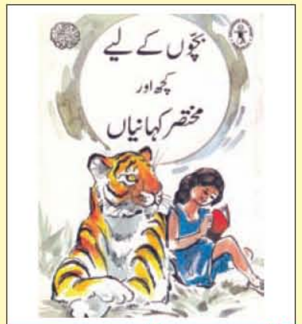

صفحات:126 قیمت:25 روپے

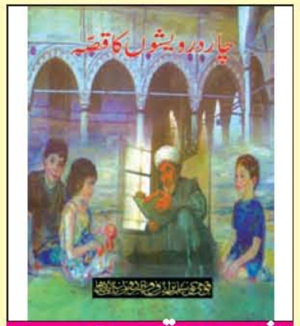

صفحات:86 قیمت:16 روپے

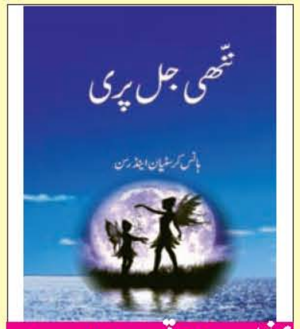

صفحات:34 قیمت:11 روپے

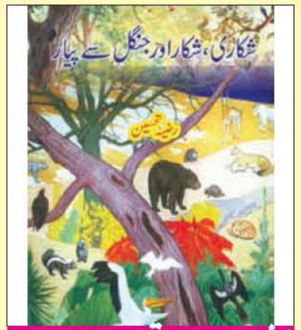

صفحات:134 قیمت:11 روپے

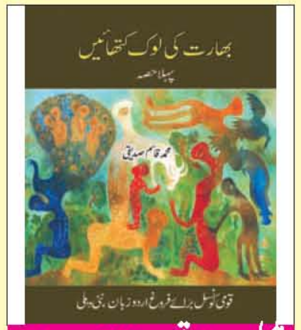

مکمل سیٹ قیمت:30 روپے

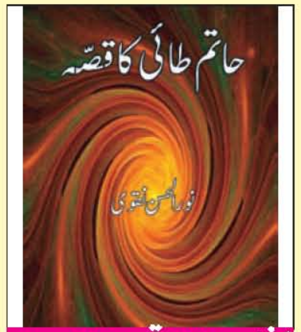

صفحات:120 قیمت:18 روپے

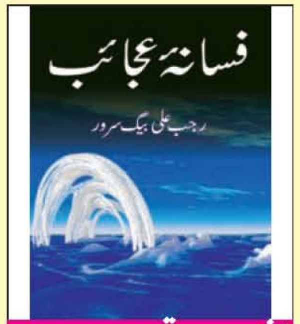

صفحات:80 قیمت:19 روپے

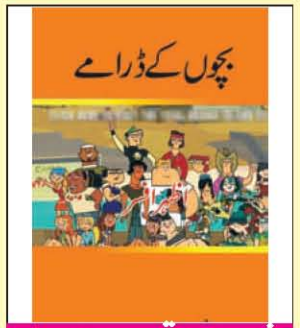

صفحات:98 قیمت:16 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025, and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor : Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Tel : 49539000

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

کلیات ملا رموزی (جلد اوّل حصہ اوّل)

مرتب: خالد محمود
صفحات:453
قیمت: -/151 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد اوّل حصہ دوم)

مرتب: خالد محمود
صفحات:454 تا 896
قیمت: -/140 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد دوم)

مرتب: خالد محمود
صفحات:750
قیمت: -/243 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد سوم)

مرتب: خالد محمود
صفحات:710
قیمت:235 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد چہارم)

مرتب: خالد محمود
صفحات:875
قیمت:279 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد پنجم)

مرتب: خالد محمود
صفحات:428
قیمت: -/156 روپے

مقالات مسعود

مصنف: مسعود حسین خان
صفحات:230
قیمت: -/106 روپے

علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات

مصنف: خوشتر نورانی
صفحات:248
قیمت: -/91 روپے

تحقیق وتعارف

مصنف: حنیف نقوی
صفحات:288
قیمت: -/99 روپے

پیروڈی: نقد و انتخاب (جلد اوّل)

مرتبہ: امتیاز وحید
صفحات:354
قیمت:118 روپے

پیروڈی: نقد و انتخاب (جلد دوم)

مرتبہ: امتیاز وحید
صفحات:368
قیمت:133 روپے

ہندوستانی تہذیب

مصنف: ابن کنول
صفحات:399
قیمت: -/131 روپے

تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری

مصنف: عبدالغنی مدہوش
صفحات:192
قیمت: -/67 روپے

جدید دنیا میں تعلیم

مصنف: نیاز احمد اعظمی
صفحات:179
قیمت: -/73 روپے

تعلیمی نفسیات

مصنف: طلعت عزیز
صفحات:242
قیمت: -/96 روپے

پودحفاظتی آلات کی مرمت اور دیکھ بھال

مترجم: سید ظفر الاسلام
صفحات:78
قیمت: -/64 روپے

پیٹ کے کیڑے

مصنف: محمد رفیق اے ایس
صفحات:79
قیمت: -/40 روپے

حسن نعیم اور نئی غزل

مصنف: احمد کفیل
صفحات:284
قیمت: -/104 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ:15 روپے، سالانہ:150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان وادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت:100 روپے، فی شمارہ:25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون:26109746، فیکس:26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

اس شمارے میں

زمرہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
نظم	بچپن کے دن	رضوان الرضا رضوان	3
کام کی باتیں	چابی والا	سید اطہر رضا بلگرامی	4
مضمون	سائیکل کی کہانی	راشد جمال فاروقی	7
مضمون	میں ہوں الو	شمیم احمد صدیقی	11
کہانیاں	ننھا ریچھ	مشتاق اعظمی	15
	فرسٹ سنو فال	حمیرہ عالیہ	17
	یہ دوستی	محمد حسین مشاہد رضوی	21
	چٹنے مزے دار	سلیم احمد	26
اس ماہ کی باتیں	مئی	ادارہ	29
کامکس	گلیور بالشتیوں کی دنیا میں	جوناتھن سوئفٹ	37
نظم	جنگل میں چناؤ	احمد امام	42
قسط وار	فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	43
نانی کا صندوق	آج کی تازہ خبر	شکیل بدایونی	51
ڈرامہ	دو دوست	اظہر افسر	52
نظم	بچوں کے دوہے	احمد وصی	56
اردو ایس ایم ایس	یہ مزے مزے کی حکایتیں	ادارہ	57
کھیل کھلاڑی	کرکٹ کے مہاراجہ	حفیظ الرحمان انصاری	58
ننھے فنکار	بچوں کی تخلیقات	ادارہ	62
دماغی ورزش	ذہنی آزمائش	ادارہ	63
اردو فیس بک	آپ کی باتیں	ادارہ	64

سرورق: زمین سے 7 ہزار نوری سال کی دوری پر موجود ایگل نیبولا Eagle Nebula کی خلائی دوربین ہبل Hubble سے کھینچی گئی تصویر۔ اس کہکشاں کا پتہ سب سے پہلے ژاں فلپ ڈی چیسوکس نے 1745 میں لگایا تھا

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

جلد: 2 شمارہ: 5 مئی 2014

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت -/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبۂ ادارت 'بچوں کی دنیا': 49539011

ای میل

bachonkiduniya @ncpul.in

کمپوزنگ، ڈیزائننگ: شبنم گرافکس

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

شعبۂ فروخت: فون: 26109746

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

ای میل: sales@ncpul.in

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں

شاخ 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 24415194 - 040

آپس کی باتیں

دوستو، اس شمارے کے سرورق پر جو تصویر آپ دیکھ رہے ہیں، جی چاہتا ہے آج اسی کے بارے میں بات کی جائے۔ کبھی آپ نے رات میں کھلے آسمان کو غور سے دیکھا ہے؟ یقیناً دیکھا ہوگا۔ خاص طور سے انھوں نے جو گاؤں دیہات یا ایسے علاقوں میں رہتے ہیں جہاں ہوا میں گاڑیوں سے نکلنے والے دھوئیں اور دھول کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ ہمارے بچپن میں شہروں کی ہوا آج کے مقابلے میں ذرا صاف ہوا کرتی تھی اس لیے کسی حد تک صاف اور چمکیلا آسمان دیکھنے کو مل جاتا تھا۔ جب بھی اندھیری راتوں میں مکان کی چھت پر لیٹ کر یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی آسمان کی چادر پر نظر دوڑاتے تو کم یا زیادہ چمکتے ستاروں کو دیکھ کر دل ودماغ کی عجیب کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ دیر تک سوچتے رہتے کہ یہ بے شمار ستارے پتہ نہیں ہم سے کتنے فاصلے پر ہوں گے۔ دیکھنے میں تو یوں لگتا تھا کہ کسی اونچے مینار پر چڑھ کر ہم انھیں ہاتھ سے چھو سکتے ہیں۔ لیکن کلاس میں ہمارے سائنس کے ٹیچر بتاتے تھے کہ یہ ستارے جو یہاں سے اتنے نزدیک اور اتنے چھوٹے، بلکہ ننھے مُنّے سے دکھائی دیتے ہیں، حقیقت میں اتنی دوری پر ہیں کہ اگر ہم روشنی کی رفتار سے، ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یعنی تین لاکھ کلومیٹر کی تیزی سے روانہ ہوں تو ہو سکتا ہے ان میں سے کئی ستاروں تک پہنچنے میں ہمیں سو دو سو سال لگ جائیں۔ نہ جانے کتنے ان میں چاند جیسے چھوٹے سیارے اور کتنے ہی سورج سے بڑے ستارے ہیں۔ اسکول کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ ہماری کائنات میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں چاند ستارے موجود ہیں جو کسی نہ کسی دائرے میں مسلسل گھومتے رہتے ہیں۔

دراصل ہماری کائنات اتنی بڑی اور اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ ہماری اپنی زمین کی حیثیت اس میں کسی بڑے ریگستان کے سامنے ریت کے ایک ذرّے سے بھی چھوٹی پڑ جاتی ہے۔ جس طرح ہمارے سورج کا، زمین جیسے چھوٹے بڑے کئی سیاروں کا خاندان ہے اس طرح کے لاکھوں سورجوں کے خاندانوں سے ایک کہکشاں بنتی ہے اور پھر ایسی ہی ہزاروں لاکھوں کہکشاؤں سے مل کر یہ کائنات بنی ہے۔ یہ اتنی بڑی کائنات کب اور کیسے بن کر کھڑی ہوگئی، اس بارے میں سائنس دانوں کی کئی تھیوریاں ہیں جن کے بارے میں آپ آگے بڑی کلاسوں میں تفصیل سے پڑھیں گے۔ کائنات کے راز جاننے کے لیے انسان نہ جانے کب سے آسمان کو حیرت اور جستجو بھری نظروں سے تک رہا ہے۔ پہلے صرف آنکھوں سے، پھر چھوٹی دوربینوں سے اور اس کے بعد بڑی بڑی طاقت ور دوربینوں سے۔ جس قدر کائنات اسے نظر آئی، اس سے زیادہ دیکھنے کی ضرورت اور خواہش انسان کے دل میں پیدا ہوتی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوربینیں زمین کی بجائے خلا یعنی اسپیس میں بھیجنے کا خیال ذہنوں میں آیا اور آخر کار 1993 میں 'ہبل اسپیس ٹیلی اسکوپ' کو خلا میں بھیجا گیا جس نے انسانی آنکھوں کے لیے ایک ایسی خلائی کھڑکی کھول دی جس سے ہم مستقبل میں شاید کائنات کو اس کی آخری حدوں تک بھی دیکھ پائیں۔ اس شمارے کے سرورق کی تصویر دراصل اسی خلائی دوربین سے کھینچا گیا ایک کہکشاں کا فوٹو ہے۔ پہلی نظر میں یہ کسی مصور کی بنائی ہوئی پینٹنگ لگے گی۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک کہکشاں کے ستاروں کا جھرمٹ ہے جسے ایگل نیبولا Eagle Nebula کا نام دیا گیا تھا۔ یہ زمین سے سات ہزار نوری برسوں Light Years کی دوری پر ہے اور اس میں جو نیچے سے اوپر پھولا ہوا غبارہ نظر آرہا ہے وہ دراصل خلا میں پھیلی ہوئی گیسیں ہیں۔

دوستو اس شمارے میں کہانیوں اور نظموں کے علاوہ، تالوں کی چابیاں بنانے والے ایک غریب مستری کے ہنر، بائیسکل کی داستان اور اس کے فائدوں کے بارے میں دو خاص مضمون بھی شامل کیے گئے ہیں جو آپ کو یقیناً پسند آئیں گے۔ اور ہاں، اب تو آپ کی گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو رہی ہوں گی۔ تو چلیے مزے کیجیے۔ لیکن 'بچوں کی دنیا' پڑھتے رہیے۔ خدا حافظ

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

□ رضوان الرضا رضوان

بچپن کے دن!

ہم بھی بچپن کے شب و روز جو پانے لگے جائیں
بچے بن جائیں اچھل کود مچانے لگ جائیں
بوڑھے دادا کی کبھی چھین کے بھاگیں عینک
ان کی لاٹھی کسی کونے میں چھپانے لگ جائیں
چل کے جنگل سے مرے گاؤں میں بندر آجائے
دیکھتے دیکھتے ہم شور مچانے لگ جائیں
آئے برسات تو کاغذ کی بنائیں کشتی
چھوڑ کے پانی میں ہم خود بھی نہانے لگ جائیں
اپنی خواہش پہ کوئی چیز نہ ہم پائیں اگر
ضد پہ اڑ جائیں کبھی رونے رلانے لگ جائیں
کھیل میں ایسے مگن ہوں کہ سبق بھی بھولیں
پڑھنے بیٹھیں تو ہم الٹا ہی پڑھانے لگ جائیں
دوپہر میں ہی پہونچ جائیں کبھی باغ میں ہم
اینٹ سے توڑ کے پھر آم ہی کھانے لگ جائیں

دوستی پکی ہو ہر روز نئے لڑکے سے
یعنی ہر روز نیا مال اڑانے لگ جائیں
چل کے میدان میں کھیلیں کہیں گلی ڈنڈا
جیت اپنی ہو کسی کو جو ہرانے لگ جائیں
دیکھ کر روتے ہوئے بھائی بہن کو گھر میں
گدگدی ایسی کریں ہنسنے ہنسانے لگ جائیں
حرکتوں سے مری ابو کبھی عاجز آکر
اتنا ماریں کہ مرے ہوش ٹھکانے لگ جائیں
روٹھ جائیں کبھی امی سے اگر کچھ بولیں
دے کے ٹافی وہ مجھے خود ہی منانے لگ جائیں
سن کے ٹی وی پر خبر بور ہوئے جاتے ہیں
پکچر آجائے تو ہم ناچنے گانے لگ جائیں
ختم ہوجائے کسی موڑ پر یہ سارا کھیل
چل کے رضوان ہم اب کھانے کمانے لگ جائیں

◆ ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان، ملیح آباد، لکھنؤ۔ اتر پردیش

سید اطہر رضا بلگرامی

چابی والا

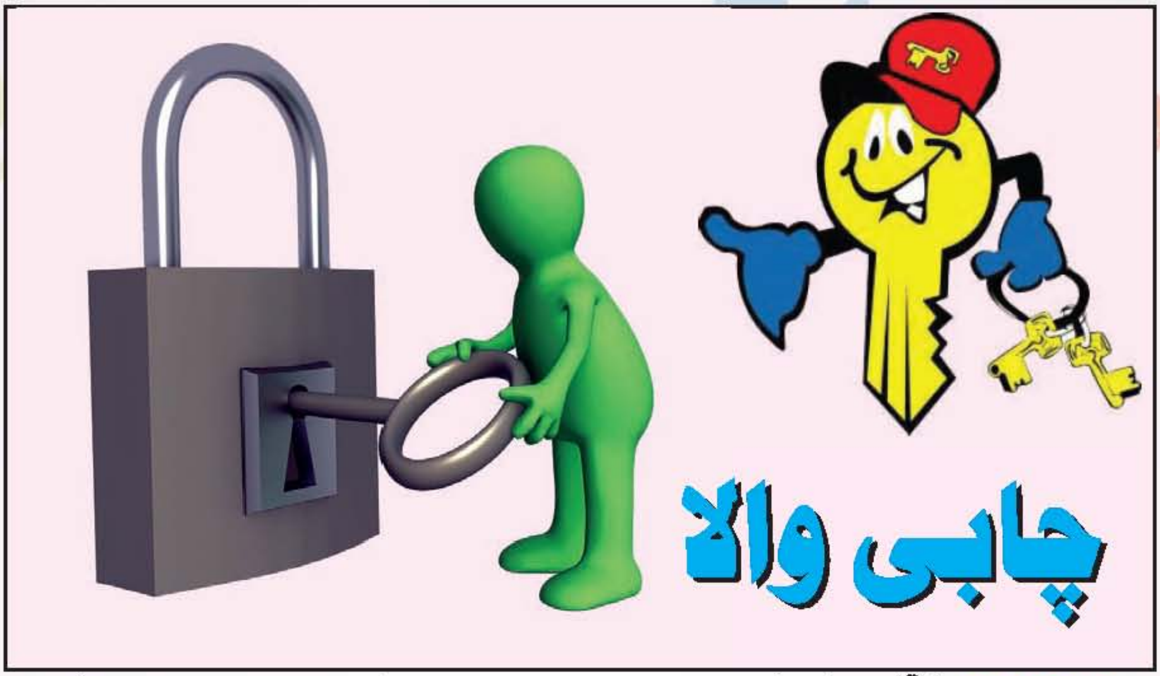

موجودہ دور کی تعلیم انسان کو کیا سکھا رہی ہے اور پیڑھی در پیڑھی چلے آنے والے خاندانی تجربات کیا سکھاتے ہیں اس کا فرق فٹ پاتھ پر بیٹھے کنجی قفل بنانے والے کی بات چیت سے ہوا۔ گھر کی چابیوں کا گچھا کہیں گم ہو گیا۔ لوگوں نے بتلایا، فلاں جگہ فٹ پاتھ پر ایک سردار جی تالوں کی چابی بناتا ہے، اس کو بلا لیجیے، بہت ہوشیار ہے، وہ بنا دے گا، میں بلا لایا۔ باہری گیٹ کی انٹرلاکنگ والا قفل دکھلایا۔ کہا پہلے اس کی چابی بنائیے۔ اس کو کھولیے پھر باقی اندر کے تالوں کی چابیاں بنا دیجیے گا۔ اجرت طے ہوئی، کہا ایک گھنٹہ کے اندر تمام چابیاں بنا دوں گا۔

وہ اپنے معمولی دو تھیلوں کے ساتھ گیٹ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک تھیلے میں موٹی لکڑی کی پٹری جس کے ایک سرے پر ترچھا کٹاؤدار گڈھا تھا اور

دوسرے سرے پر کٹا ہوا کھانچہ، ایک زنبور، ایک ہتھوڑی، نہائی، ریتی، چھینی تھی۔ بس اس تھیلے میں ساز و سامان کی یہی کل کائنات تھی۔ دوسرا تھیلا مختلف سائز و اسٹائل کی نئی، پرانی کنجیوں سے بھرا تھا۔ اس نے انٹرلاکنگ قفل کو دیکھتے ہوئے ایک لمبی کنجی نکالی اور ہتھوڑی سے نہائی پر رکھ کر پیٹ کر اور پھر ریت کر تالے کے چھید میں ڈالنے کے قابل بنا دیا۔ قفل میں ڈال کر خوب زور لگا کر دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں گھمایا۔ نکال کر غور سے دیکھا، اور ایک بار پھر سوراخ میں ڈال کر یہی مشق دہرائی۔ چابی کو نکالا اور پھر روشنی میں اوپر نیچے ہلا کر غور سے دیکھا۔ اب کنجی کو نہائی پر رکھ کر بیٹھ گیا اور چھینی سے کچھ ہلکی، کچھ بھاری چوٹ مار کر نشان ابھارے اور پھر ان کو کاٹا، ریتی سے رگڑ کر صاف کیا، پھر نہائی پر کنجی کو کھڑا رکھ کر ہلکی، ہلکی چوٹوں

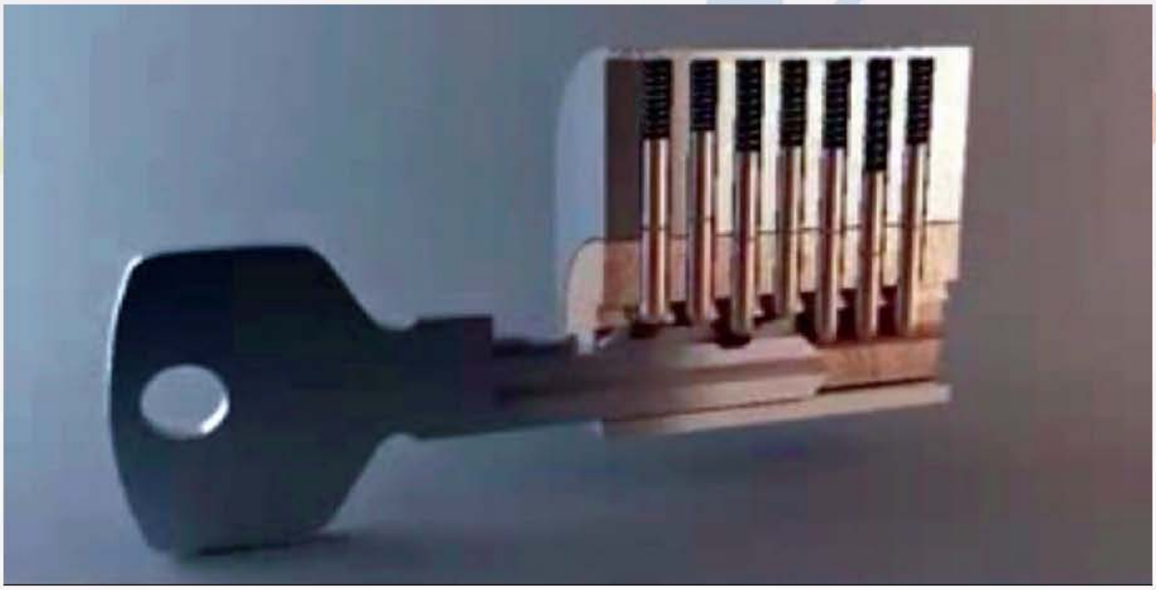

کے ساتھ کھانچوں کو مسطح کیا اور اب جو سوراخ میں ڈالا تو تھوڑے اٹکاؤ کے ساتھ قفل کھل گیا۔ ان تمام کارروائیوں میں مشکل سے دس منٹ لگے ہوں گے جس کو میں غور سے دیکھتا رہا۔

اس نے ایک بار پھر کنجی کو باہر نکالا، روشنی میں غور سے دیکھا اور ریگ مال کے ایک ٹکڑے سے اس کی مخصوص جگہوں کو رگڑ کر صاف کرتا رہا۔ ہم سے مشین کا تیل مانگا، ہلکا سا تیل تمام کٹاؤ پر لگایا اور اب جو کنجی کو قفل میں ڈال کر چلایا تو بالکل رواں چلنے لگی۔ مشکل سے 15-20 منٹ میں انٹرلاکنگ کی چابی تیار تھی۔

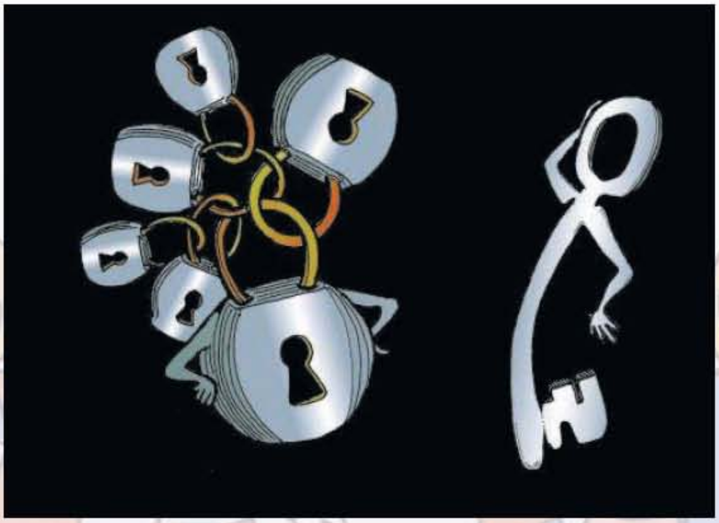

گھر میں داخل ہوا، مختلف نوعیتوں کے باقی تالے دکھلائے۔ اس نے مشکل سے مزید آدھ گھنٹے میں اسی طریق عمل کو دہراتے ہوئے تمام چابیاں تیار کردیں۔ میں ہر قفل کی کنجی تیار کرنے کے عمل کو غور سے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ ہنر اس نے کہاں سے سیکھا اور سیکھنے میں کتنا وقت لگایا۔

میں نے اس کے لیے چائے بنائی۔ اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھے بغیر نہ رہا کہ آخر تم نے یہ ہنر کہاں اور کیسے سیکھا اور سیکھنے میں کتنا وقت لگایا۔ اس نے جو بتایا وہ میری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھا۔ اس کا جواب سن کر مجھے میکینکل انجینئر کی تعلیم اور لیب کی محنت کش مشقیں ہیچ لگنے لگیں۔

کہنے لگا، میں بالکل معمولی پڑھا لکھا ہوں صاحب۔ 5 برس کی عمر سے باپ دادا کے ساتھ سیکھنا شروع کیا اور اب تو وہ کوئی نہیں رہے، بس

ان کا سکھایا ہوا روٹی روزی کا سہارا ہے۔ انہوں نے ہتھوڑی پکڑنا، ریتی چلانا سکھلایا، انگلیوں، انگوٹھوں اور ہتھیلی کے مختلف زاویوں اور بدلتے ہوئے زاویوں سے بدلتے ہوئے وزن اور زور کو سمجھایا اور سکھایا کہاں کتنا وزن اور زور چاہیے۔ پھر ایک بار میرے پوچھنے پر کہ دادو یہ قفل اتنی جلدی چابی بنا کر کیسے کھول لیتے ہو؟ تو کہنے لگے کہ ساتھ میں بیٹھا کرو، غور سے میرے ہاتھوں کو، نگاہ کو دیکھا کرو، اوزاروں کو پکڑنے اور چلانے کو دیکھا کرو، سب سیکھ جاؤ گے۔ پھر کچھ رک کر کہا ابھی نہیں سمجھو گے، خیر تم کو بتلا رہا ہوں، دیکھو ہر قفل کی اپنی زبان ہوتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے۔ اس زبان کے کچھ شبد (الفاظ) ہوتے ہیں جن کو ہم کنجی کے ذریعہ پکڑتے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہوتا ہے کہ تالے کے اندر چھپے شبدؤں کو کنجی کے ذریعہ پہچانیں اور جب کنجی ان شبدوں کو پہچان لیتی ہے تو دونوں میں بات چیت ہونے لگتی ہے۔ یعنی تالہ کھلنے اور بند ہونے لگتا ہے۔ تم نے دیکھا میں کیا کرتا ہوں۔ میں ایک ساری چابی کو اندر بھیجتا ہوں، پھر اس کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں خوب زور، زور سے گھماتا ہوں تاکہ قفل کے اندر کے شبدوں کے نقش چابی پر ابھر آئیں۔ پھر میں ان کو کاٹ کر، صاف ستھرا کر کے اندر بھیجتا ہوں تو تالہ چابی اٹک، اٹک کر بات چیت کرنے لگتے ہیں یعنی قفل اٹک، اٹک کر کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔

میں چابی کو ایک بار پھر اسی طرح دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں گھماتا ہوں، باہر نکال کر غور سے روشنی میں دیکھتا ہوں، اس کے کھردرے حصوں کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہوں اور پھر ریگ مال سے رگڑ کر صاف ستھرا کرتا ہوں، کٹاؤ پر تیل لگاتا ہوں اور اب جو اندر بھیج کر چلاتا ہوں تو قفل و کنجی میں صاف ستھری بات چیت شروع ہو جاتی ہے۔ قفل آسانی اور روانی سے کھلنے و بند ہونے لگتا ہے۔ شروع میں جیسے بچے توتلی زبان میں اٹک اٹک کر شبد نکالتے ہیں اور ماں باپ، بھائی بہن ان شبدوں کو صاف صاف بول کر ان کے صحیح تلفظ کو سکھاتے ہیں۔ ہم کنجی قفل کے ساتھ بھی یہی کرتے ہیں۔ جب کنجی اٹک، اٹک کر بات چیت کرتی ہے تو ہم اس کے اٹکاؤ کو صاف ستھرا کرتے ہیں، چکنا کرتے ہیں اور یوں دونوں میں بات چیت روانی سے ہونے لگتی ہے۔ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ابھی مشق کرتے رہو۔

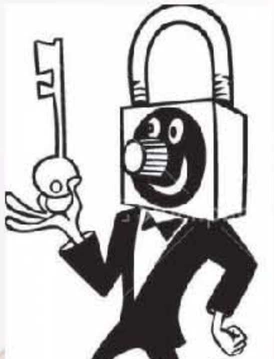

دھیرے دھیرے ان تالوں کی زبان کو سمجھنے لگو گے اور چابیوں کو تالے کے ساتھ بات چیت کروانا سیکھ جاؤ گے۔

اس کی چائے ختم ہو چکی تھی۔ وہ اپنا سامان تھیلوں میں سمیٹ رہا تھا۔ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ کاش اس کو کسی میکینکل انجینئر یا پولی ٹکنیک کے کلاس اور لیب میں بھیج دیتا، ان ہی دو بوسیدہ تھیلوں، میلی کچیلی پتلون اور پھٹی پرانی چپل کے ساتھ۔ □

♦ پروفیسر سید اطہر رضا بلگرامی، 5.1.1، سیکٹر 8 جسولا وہار۔ نئی دہلی۔ 110025

راشد جمال فاروقی

سائیکل کی کہانی

بچو! آج ہم جس تیز رفتار دور میں جی رہے ہیں اس میں تیز چلنے والی موٹر سائیکلوں، کاروں اور جہازوں کا چرچا عام ہے، اور جو چیز روز بروز پیچھے چھوٹتی جا رہی ہے وہ ہے ہماری پیاری سائیکل۔

آپ آج کچھ بھی چلا رہے ہوں، شروعات یقیناً سائیکل سے ہی کی گئی ہوگی۔ کون بھول سکتا ہے وہ ساتھیوں کا ایک ساتھ اسکول جانا۔ آہستہ آہستہ سائیکل کا رینگنا اور ہنسی ٹھٹھولی۔ باتوں باتوں میں اسکول پہنچ جانا۔ ہندوستان تو یوں بھی گاؤں کا ملک ہے۔ یہاں آج بھی جو سواری سب سے زیادہ استعمال ہوتی ہے وہ سائیکل ہی ہے۔ سائیکل کسان، مزدور، طالب علم، بچے، بوڑھے، جوان، عورت مرد سب کو یکساں طور پر عزیز ہے۔ لیکن کیا آپ نے کبھی سائیکل کی کہانی سنی ہے کہ وہ آخر اس شکل تک آتے آتے کن کن مرحلوں سے گزر چکی ہے؟ اگر نہیں تو آیئے آج میں آپ کو سائیکل کی پیدائش اور اس کے بتدریج جوان ہونے کی کہانی سناتا ہوں۔

یوروپ کے ملک جرمنی کے صوبے بیڈین میں مین ہیم شہر کے جاگیردار کا ایک بیٹا سیانی طبیعت کا مالک تھا۔ لہٰذا اس نے پہلی بار لکڑی کا ایک گھوڑا بنایا۔ اس گھوڑے میں اس نے دو پہیے لگا دئے۔ اس طرح سائیکل کی پہلی شکل وجود میں آئی۔ جاگیردار کے اس سیلانی بیٹے کا نام ذرا لمبا ہے لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہئے، اس کا نام تھا کارل فریڈرک کرسچین لڈوگ فری ہرڈریس وان سوبر بران۔ اتنے طویل نام کو مختصر کر کے ہم اسے صرف ڈریس وان کہہ کر کام چلاتے ہیں۔ اس

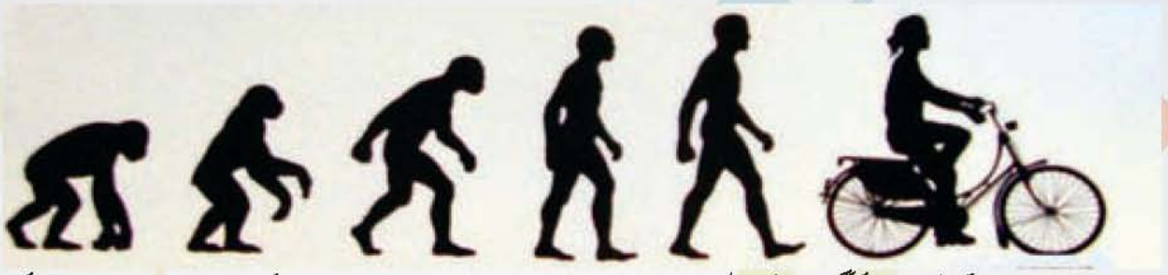

28 سالہ نوجوان نے آگے کے پہیوں کو گھمانے کے لئے ایک دستہ لگایا تھا اور اس کے دونوں پیر زمین پر ٹکتے تھے۔ یہ اہم واقعہ 1813 کا ہے۔ لوگ اس عجیب وغریب گاڑی کو تجسس اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی رفتار پیدل چلنے والوں سے زیادہ تھی۔ ڈریس وان نے

سوچا کہ پیدل چلتے ہوئے ہمارا پورا وزن بھی پیروں پر پڑتا ہے اور ہم جلدی تھک جاتے ہیں۔ لہٰذا پہیوں کی مدد سے رفتار بڑھائی جائے، اور اس نے اپنی اس سائیکل پر ٹکنے کا جگاڑ کر کے پیروں کو وزن سے بری کر دیا۔ ڈریس وان ایجادات کا شوقین تھا۔ لیکن 1851 میں اس کی موت ہوگئی، اور وہ اپنی سائیکل میں بہت سی اصلاحات نہیں کر پایا۔ اس کی اس سائیکل کو 'ویلا سپی ڈی' کہا گیا۔ ویلا می Velocity سے لیا گیا۔ یعنی رفتار اور پیڈی یعنی پیروں سے چلنے والی۔ ڈریس وان نے ریل کی پٹری پر ہاتھ سے ڈھکیل کر چلانے والی گاڑی بھی ایجاد کی تھی جسے اس کے نام پر ڈریس ٹی نی کہا گیا۔ ہاں تو ڈریس وان کی سائیکل جرمنی سے نکل کر فرانس اور انگلینڈ تک جا پہنچی اور لوگ پیروں سے ڈھکیل کر بدن سادھ کر اس نئی سواری سے لطف اندوز ہونے لگے۔ سماج کے اونچے طبقے میں یہ بہت مقبول ہوئی، اور اسے Hobby Horse ہابی ہارس کا نیا نام دے دیا گیا۔ لندن میں تو اس ہابی ہارس کو چلانے کے ٹریننگ اسکول بھی کھل گئے۔ بعد میں شوقینوں نے اسے چھیلا گھوڑا Dandy Hors کہنا شروع کر دیا۔

پھر انگلینڈ کے ایک لوہار کرک پیٹرک میک ملن نے 1839 میں اس میں ایک پائیدان لگا دیا۔ اس نے اپنی سائیکل کے پہیے چلانے کے لیے لیور لگا کر دھرے نچانے کی جگاڑ کی اور اب سواری کے پیروں کو آرام مل گیا۔ اس گاڑی پر سوار ہو کر 1842 میں اس نے ڈم فریز سے گلاسگو تک کا 40 میل کا سفر دو گھنٹوں میں پورا کر لیا۔ اس سفر کے دوران اس کے سامنے ایک بچہ بھی آ گیا تھا۔ لیکن حادثہ نہیں ہوا۔ کرک پیٹرک نے اس گاڑی میں صرف پائیدان ہی نہیں لگایا بلکہ اگلے پہیے کو گھمانے کے لئے ایک دستہ بنایا اور بیٹھنے کی گدی بھی لگا دی۔ پیٹرک کی اس ایجاد کے دس برس کے بعد جرمنی کے ایک لوہار فلپ ہن رچ فشر نے لیور کو آگے پیچھے ڈھکیلنے کی زحمت سے نجات دلا دی۔ اس نے اگلے پہیے میں پائیدان لگا کر لیور کھینچنے اور دھکیلنے کا جھنجھٹ ہی ختم کر دیا اور اس طرح سائیکل کی رفتار بھی بڑھ گئی۔

آج ہم اس گاڑی کو سائیکل کہتے ہیں، لیکن یہاں تک آتے

آتے اس کے کئی نام ہوئے۔ بائیسکل یعنی بائی + سائیکل۔ بائی یعنی دو اور سائیکل یعنی چکر یا پہیہ۔ بعد میں بائیسکل رفتہ رفتہ سائیکل ہوگئی۔ لیکن شروعاتی سائیکلیں بہت خطرناک تھیں لہٰذا انھیں ہڈی توڑ Bone Shaker بھی کہا گیا۔ فرانس میں سائیکلیں بنانے کا پہلا کارخانہ ارنیسٹ مائی چوکس نے لگایا تھا۔ بعد میں انگلینڈ میں بھی سائیکل بنانے کے کارخانے لگائے گئے۔ گاڑی میں سدھار کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اب اس کا اگلا پہیہ بڑا کر دیا گیا۔ انگلینڈ کے دو چھوٹے سکے پینی اور فاردنگ کے نام پر اب اس سائیکل کو پینی فاردنگ کہا جانے لگا۔

لاسن نامی انگریز نے دونوں پہیوں کو برابر کر کے سوار کے گرنے پڑنے سے نجات دلائی اور پائیدان کو دونوں پہیوں کے درمیان لے آیا۔ ہینس رینالڈ نے پائیدان پر چین لگا دی۔ شروع کی سائیکل کے پہیوں میں ٹھوس ربڑ مڑھی ہوئی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کے مویشیوں کے ڈاکٹر جان بائڈ ڈنلپ نے اپنے بیٹے کی سائیکل پر سینچائی والی ربر کی

ٹیوب میں ہوا بھر کر چڑھا دی اور ٹاٹ کی مدد سے اس ٹیوب کو مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا۔ ڈنلپ کا بیٹا مقابلہ جیت گیا تو لوگ اپنی سائیکلوں

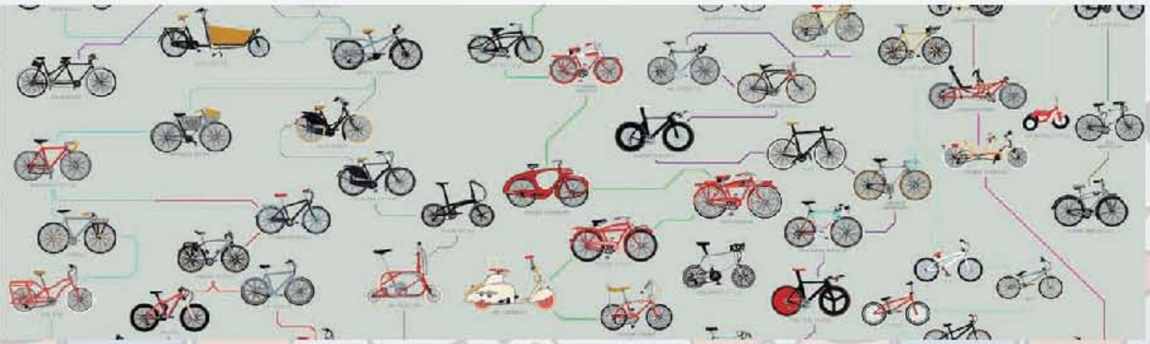

▲ یہ سب کھلونے نہیں اصلی سائیکلیں ہیں جو جلد سڑکوں پر دکھائی دیں گی

کے ٹیوب بندھوانے کے لئے ڈنلپ کے پاس آنے لگے۔ آخر کار ڈنلپ نے 1888 میں اپنے ٹیوب کو پیٹنٹ کرالیا۔ آج ٹائر ٹیوب کی دنیا کا یہ سب سے مشہور نام ہے۔ ولیم وہاروی ڈی کراس نامی ایک شخص نے ڈنلپ سے یہ پیٹنٹ خرید لیا اور بڑے پیانے پر کاروبار کو پھیلا دیا۔

تو بچو! آپ نے دیکھا کہ آپ کی محبوب سواری سائیکل کتنے رنگ روپ بدلتی بدلتی آج آپ کے پاس تک پہنچی ہے۔ یہ سیدھی سادی سواری ہوا میں گندگی بھی نہیں پھیلاتی۔ نہ اس سے کوئی زہریلی گیس نکلتی ہے نہ یہ ایندھن کھاتی ہے۔ پھر یہ شور بھی نہیں مچاتی بلکہ جسمانی ورزش کرا دیتی ہے اور ہماری صحت ٹھیک رہتی۔ اس کا ثبوت ایسے ملے گا کہ کبھی سڑک پر کھڑے ہو کر سائیکل چلانے والوں کو غور سے دیکھیے۔ ان میں آپ کو شاید ہی ایسا کوئی ملے گا جس کی توند آگے نکلی ہوئی ہو اور موٹاپے کی بیماری کا شکار ہو گیا ہو۔ آج کے دور میں اس کی اہمیت اسی وجہ سے کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ ہماری ہوا جس تیز رفتار سے زہریلی ہوتی جارہی ہے اس کا واحد علاج اگر کچھ ہے تو وہ سائیکل ہے۔ ◻

◆ راشد جمال فاروقی ID8, C-1452، ٹاؤن شپ ویر بھدرا
رشی کیش دہرہ دون۔ اترا کھنڈ۔

شمیم احمد صدیقی

میں ہوں الّو!

الّو کہیں کا!

ارے بھائی صاحب! ذرا سوچ سمجھ کر بولیے۔ آپ جس انداز سے 'اُلّو کہیں کا' کہہ کر اپنے چھوٹے بھائی کو اُس کی کسی غلطی پر ڈانٹ رہے ہیں، اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ مجھے یعنی اُلّو کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ چلیے آج میں آپ کی غلط فہمی دور کر دوں۔

پہلی بات تو یہ کہ کروڑوں ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دولت کی دیوی لکشمی جی میرے اوپر سوار ہو کر ہی کہیں آتی جاتی ہیں۔ بھلے ہی آپ کی ملاقات کبھی لکشمی جی سے نہ ہوئی ہو اور بھلے ہی آپ اس عقیدہ سے متفق نہ ہوں لیکن آپ کو اپنے کروڑوں ہم وطنوں کے عقیدے اور جذبات کا پاس، لحاظ تو کرنا ہی چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ مہاراشٹر کے علاقہ میں ایک بڑے طبقے کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ دیوالی کے موقع پر لکشمی جی اُلّو کی بلی چڑھانے سے بہت خوش ہوتی ہیں لہٰذا ہر دیوالی سے قبل وہاں الوؤں کی بڑی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

اس فرسودہ عقیدہ پر روک لگانے اور الوؤں کی حفاظت کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے اُلّو کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی ہے۔ لیکن توہم پرستی کی بنا پر جو کام پہلے کھلم کھلا ہوتا تھا وہی اب چوری چھپے ہوتا

ہے اور چوری چھپے ہونے کی وجہ سے اُلّو کی قیمت بھی آسمان چھونے لگی ہے۔ لہٰذا گذشتہ دیوالی میں عام قسم کا اُلّو 30 سے 40 ہزار میں فروخت ہوا جب کہ خاص قسم کا 'بارن' Barn اُلّو جس کا سامنے کا حصّہ سفید ہوتا ہے اور اس پر بھورے رنگ کے خوبصورت دھبّے ہوتے ہیں وہ 25-30 لاکھ تک میں فروخت ہوا ہے۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ آج کے مادّہ پرستی کے دور میں جب کہ محض چند ہزار روپیہ کی خاطر اشرف ترین مخلوق یعنی انسان کو قتل کر دیا جاتا ہے اگر کوئی پرندہ بلی چڑھانے کے لئے ۲۵-۳۰ لاکھ میں بیچا یا خریدا جا رہا ہو تو کسی انسان کو کیا حق ہے کہ اس پرندہ کو حقیر یا ذلیل سمجھے۔ آپ مجھ حقیر پرندہ کی اس بات کو تو مان ہی لیں کہ اپنا تھوڑا سا وقت نکال کر اپنے قریبی چڑیا گھر تشریف لے جائیں اور میرے کسی بھائی بند یعنی اُلّو کو غور سے دیکھیں کہ قدرت نے مجھے کیسا حُسن دیا ہے۔ تمام چڑیوں میں میرا چہرہ اپنے جسم کے مقابلہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ پنجوں کو چھوڑ کر میرے تمام جسم پر بڑے ملائم پر اور بال ہوتے ہیں حتیٰ کہ آنکھوں کے گرد بھی خوبصورت بالوں کے حلقے ہوتے ہیں۔ میرے جسم پر دل کی شکل کے دھبے ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کسی سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لئے لوگ کاغذ یا کپڑے پر دل بنا کر اپنے محبوب کو پیش کرتے ہیں۔ گویا میرا جسم زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ میں مجسّم محبت ہوں۔ مجھ سے نفرت نہ کریں۔ مجھے گھٹیا نہ سمجھیں۔

اب تیسری بات بھی سُن لیجیے۔ اپنی ناواقفیت اور کم علمی کی بنا پر انسان نے میرے بارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میں جس جگہ کو اپنا مسکن یعنی رہنے کی جگہ بناتا ہوں وہ جگہ ویران اور برباد ہو جاتی ہے۔ مجھے ایسی باتوں کو سُن کر ہنسی بھی آتی ہے اور انسان کی نا سمجھی پر بڑا ترس بھی آتا ہے جب آج کے سائنسی ترقی کے دور میں بھی کوئی ایسی بات کہتا ہے۔ ایسے لوگوں کی عقل پر سوائے ماتم کرنے کے اور کیا کیا جائے۔ یہ تو انسانی فطرت ہے کہ اگر وہ کسی جھوٹ کو مختلف زبانوں سے بار بار سُنتا ہے تو اُس کو سچ سمجھنے لگتا ہے۔ لہٰذا بہرائچ (یوپی) کے ایک شاعر شوق بہرائچی نے بربادی پھیلانے والی اس احمقانہ بات پر ایک شعر بھی تخلیق کر ڈالا جو یوں ہے :

برباد گلستاں کرنے کو بس ایک ہی اُلّو کافی تھا
ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے انجامِ گلستاں کیا ہوگا

میں رات کو بہت کم روشنی میں بھی صاف دیکھ لیتا ہوں

حالانکہ شوق صاحب نے اس شعر کے ذریعہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے بے ایمان لیڈروں پر طنز کیا ہے جو اپنی بدعنوانیوں اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے ملک کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے شعر میں نام تو میرا ہی بدنام کیا ہے۔ اگر قدرت نے مجھے انسانوں سے بات کرنے والی زبان دی ہوتی تو میں شوق بہرائچی سے یہ ضرور پوچھتا کہ حضرت! آپ نے اب تک ایسے کتنے باغ یا عمارتیں دیکھی ہیں جو پہلے کسی وقت آباد تھیں اور اُن میں کسی اُلّو کے بسیرا کرنے کے بعد وہ ویران ہوگئیں۔ بلا تحقیق کسی پر الزام رکھنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن انسانوں کی اکثریت میں یہ عیب پایا جاتا ہے کہ جب اُن کی لاپروائی سے کوئی کام بگڑ جاتا ہے تو خود ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے دوسروں کے سر ڈال دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے پیٹ بھرنے کے لئے چوہوں، مینڈھکوں اور چھوٹی چڑیوں کا شکار کرنا پڑتا ہے۔ دن کے وقت ان چیزوں کا شکار مشکل ہوتا ہے لہٰذا مجھے اکثر رات رات بھر جاگنا پڑتا ہے۔ رات کو شکار کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہی قدرت نے مجھے وہ آنکھیں دی ہیں کہ میں بہت کم روشنی میں بھی بخوبی دیکھ سکتا ہوں دوسرے یہ کہ میرے ملائم پروں کی وجہ سے اپنے مقام سے اُڑ کر شکار پر جھپٹنے تک پھڑ پھڑاہٹ کی آواز نہیں ہوتی اور شکار چوکنا ہوکر بھاگ نہیں پاتا۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی رات بھر جاگے گا وہ اپنے جسم کی تھکان دور کرنے کے لئے دن میں سوئے گا بھی۔ یہی وجہ ہے کہ دن میں شور وغل سے بچ کر اور سوتے میں ظالم انسان کے ذریعہ پکڑے جانے سے بچنے کی خاطر کسی ویران پڑی عمارت یا کھنڈر یا کسی بڑے درخت کے تنے کے سوراخ میں چھپ کر سوتا ہوں۔ یعنی جس عمارت میں انسان نے خود رہنا چھوڑ دیا ہو اور اُس کی مرمت یا دیکھ ریکھ سے ہاتھ اُٹھا کر اُس کو کھنڈر میں تبدیل ہونے دیا ہو تو میں اپنی ذات سے اُس کو آباد کرتا ہوں۔ یہ ہے اصل حقیقت۔ اور ان چالاک حضرت

عقل و دانش کی یونانی دیوی ایتھنا اپنے الّو کے ساتھ

انسان نے میرے بارے میں یہ افواہ پھیلا دی کہ جس جگہ کو میں اپنا مسکن یعنی رہنے کی جگہ بنالیتا ہوں وہ ویران ہوجاتی ہے۔ یعنی آباد کرنے والے کو برباد کرنے والا بنا دیا۔ یہ تو وہی بات ہوگئی کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی!

اور اب سب سے اہم بات سنیے۔ یہاں ہندوستان میں تو آپ سب مجھے بے وقوف اور احمق مانتے ہیں۔ میری قدر جاننی ہو تو یوروپ والوں سے سیکھیے کہ وہ کیسے میری ذات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اول تو وہ مجھے بے وقوفی کی نشانی نہیں سمجھتے۔ ان کے یہاں عقل مندی، ذہانت اور سنجیدگی علامت مجھی کو سمجھا جاتا ہے۔ قدیم یونان میں عقل و دانش کی کنواری دیوی ایتھنا کے ساتھ میں علم کی علامت بن کر رہتا تھا۔ اس کے علاوہ میں جو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے چوہوں وغیرہ کا شکار کرتا ہوں تو وہ میری اس عادت کا بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شاید آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ انگلینڈ کے بعض علاقوں میں سمجھ دار لوگ آج بھی اپنے اناج کے گوداموں میں ایسے روشن دان بنواتے ہیں جن سے اُلّو بہ آسانی اندر باہر آ جاسکے اور گودام میں اسٹور کیے گئے اناج کو ضائع کرنے والے چوہوں کا صفایا کرسکے۔

اچھا! اب میں اس امید کے ساتھ آپ سے رُخصت ہوتا ہوں کہ آئندہ آپ اپنے کسی چھوٹے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے اس کو اُلّو کا خطاب نہ دیں گے اور میرا نام لے کر کسی کو نہیں ڈانٹیں گے۔ کم سے کم کسی کو الّو کا پٹھا تو ہرگز نہیں کہیں گے۔ وجہ یہ کہ میں نے آج تک نہ کسی کو پٹھا بنایا ہے اور نہ ہی میں یہ جانتا ہوں کہ پٹھا ہوتا کیا ہے۔ اس مضمون کے ذریعے دنیا کے تمام انسانوں خاص طور سے ہندوستانیوں سے میری گزارش ہے کہ آئندہ کسی کو میرا پٹھا نہ کہیں! □

◆ ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی سی-2 نسیم منزل مدح گنج پولیس چوکی سیتا پور روڈ لکھنؤ-226020

مشتاق اعظمی

ننھا ریچھ

آج کی نہیں بہت پہلے کی بات ہے۔ ایک رئیس نے اپنی حویلی کے سامنے بچوں کے کھیلنے کے لیے ایک خوبصورت پارک بنوا رکھا تھا۔ اس پارک میں رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں تھیں، پھل دار درختوں کا باغ تھا، ایک چھوٹی سی نہر تھی اور سب سے مزے دار بات یہ ہے کہ اس پارک میں بندر، ہرن، مور، بطخ، مرغیاں اور دوسرے جانور بھی تھے جو آزادی کے ساتھ پارک کے اندر گھومتے پھرتے تھے۔

ایک دن رئیس کو کہیں سے ریچھ کا ایک ننھا منا بچہ ملا، اس نے اسے بھی پارک میں لاکر چھوڑ دیا۔

گرمی کا زمانہ تھا، ننھے ریچھ کو گرمی نے پریشان کیا تو وہ نہر کے کنارے آکر لوٹنے لگا جس سے اس کا پورا جسم گرد سے اٹ گیا۔

شام ہونے کو آئی تو ریچھ نے سوچا کہ پارک کے دوسرے جانوروں سے دوستی کی جائے تاکہ ان سے محبت بڑھے اور وقت کھیل کود میں گزارا جاسکے۔ ننھا ریچھ دوستی کرنے کو نکلا۔ سب سے پہلے اس کی ملاقات مرغی کے بچوں سے ہوئی۔ یہ اپنی ماں کے ساتھ دانے چگنے میں مصروف تھے۔ ننھا ریچھ ان کی طرف بڑھا، لیکن اسے دیکھتے ہی مرغی اپنے بچوں سمیت اڑکر انار کے پیڑ پر جا بیٹھی۔ ننھے ریچھ نے کہا "پیارے

دوستو! تم ڈر کر بھاگ کیوں گئے؟ میں تو تمہارے ساتھ کھیلنے آیا ہوں۔" یہ سن کر مرغی کے ایک بچے نے انار کے پتوں میں سے سر نکالا اور پروں کو پھڑ پھڑا کر کہا "ہم تمہارے ساتھ نہیں کھیلتے، تم تو بے حد گندے ہو۔"

ننھے ریچھ کو بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ کسی دوسرے دوست کی تلاش میں آگے بڑھا۔ کچھ دور چل کر اس کی ملاقات بطخ سے ہوئی، بطخ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر نہر کی طرف ٹہلنے نکلی تھی، ننھے ریچھ کو قریب دیکھ کر اس نے اپنی گردن اوپر کی طرف کھینچی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں اور اس کے بچے اس کے پروں میں جا چھپے۔ ننھے ریچھ نے ڈرتے ڈرتے کہا "آپا میں اکیلا ہوں اور آپ کے بچوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں۔" ننھے ریچھ کی بات سنتے ہی بطخ کا ایک بچہ ماں کے پروں سے نکل کر باہر آیا اور اپنی ناک پنجے سے جھاڑ کر بولا "توبہ توبہ! بھلا ہم تمہارے ساتھ کھیل کر اپنے دودھ جیسے اجلے پروں کو خراب کریں

گے۔ تم تو بے حد گندے ہو۔ ہٹو سامنے سے۔"

ننھے ریچھ کی مایوسی اور بڑھ گئی۔ اس نے سوچا اس پارک میں اس کا کوئی دوست نہیں ہوسکتا۔ یہ بڑی خراب جگہ ہے۔ اب اسے اس پارک میں ہمیشہ تنہائی کے دن کاٹنے ہوں گے۔ وہ غم کے بوجھ سے سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چلا جارہا تھا کہ جامن کے پیڑ کے نیچے اس کی ٹکر بندر کے بچوں سے ہوگئی۔

"دیکھ کر نہیں چلتے ہو؟" بندریا غرا کر بولی۔

"جی ماں میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن آپ نے تو مجھے دیکھا ہوگا۔

آپ ہی کنارے ہوجاتیں۔" ننھے ریچھ نے کہا۔

"غلیظ! غلطی ماننے کے بجائے الٹے ہمارے منہ لگتا ہے۔" یہ کہہ کر بندریا نے اس کے منہ پر بھرپور طمانچہ جڑ دیا۔ ننھا ریچھ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کا سر چکرا گیا۔ اتنے میں بندریا کے بچے اس پر پل پڑے اور نوچ نوچ کر لہولہان کر دیا۔ ننھا ریچھ بے دم ہوگیا تو بندریا اپنے بچوں کو لے کر وہاں سے چل دی۔

شام کے وقت رئیس کے بچے پارک میں ٹہلنے آئے۔ ننھے ریچھ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے اپنی دکھ بھری کہانی بچوں کو سنائی اور بتایا کہ کس طرح بندریا اور اس کے بچوں نے اس کی پٹائی کی حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

بچوں نے ننھے ریچھ کو تسلی دی۔ "میرے دوست جو ہوا سے بھول جاؤ۔ اب ہم تمہارے ساتھ کھیلا کریں گے۔ ہم جانور نہیں انسان ہیں، اور انسان کسی کو بے وجہ تکلیف نہیں پہنچاتا۔" یہ کہتے ہوئے ایک بچے نے ننھے ریچھ کو گود میں لے لیا۔ ننھے ریچھ نے کہا "ارے! آپ کے کپڑے میلے ہوجائیں گے۔ میرا جسم گندہ ہے۔"

بچے نے کہا "ہم گندے جسم سے نہیں گندے خیالات سے نفرت کرتے ہیں۔"

بچوں نے ننھے ریچھ کو نہلایا دھلایا۔ چوٹوں پر دوا لگائی اور پھر وہ اس کے ساتھ کھیلنے لگے۔ □

♦ پروفیسر مشتاق اعظمی، اعظمی منشن GC-25 مترا روڈ، گلی کشوری، آسنسول 713301

حمیرہ عالیہ

فرسٹ سنوفال

مونا لیزا نے جھک کر وہ سرخ اور سنہرا پنکھ اٹھایا جسے وہ دور سے دیکھ رہی تھی۔ آج وہ بہت خوش تھی کیونکہ آج اس نے تین پر جمع کیے تھے۔ اسے رنگ برنگے پتھر اور چڑیوں کے پر جمع کرنے کا شوق تھا، اس کا گھر تھا بھی جزیرے کے بالکل بیچ میں، چاروں طرف سے خوبصورت پھولوں اور ہرے درختوں سے گھرا اپنا پیارا سا گھر اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

جب وہ آٹھ سال کی ہوئی تو اس کے والدین نیویارک شفٹ ہو گئے۔ مونا لیزا کو اپنا گھر چھوڑتے ہوئے بہت دکھ ہوا۔ اسے نیویارک بالکل بھی پسند نہیں آیا، اونچی اونچی عمارتیں اور سڑکوں پر دوڑتی گاڑیوں کا شور... اسے وہ گلابی اور سفید پھول یاد آتے جنہیں وہ اپنے باغیچے میں لگا کر آئی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد اس کے والدین نے اسے اسکول میں داخل کردیا، یہاں بھی اس کا دل نہیں لگا، اس نے کسی کو اپنا دوست بنانے کی کوشش نہیں کی، اسے کوئی ٹیچر بھی پسند نہیں آئی۔ دراصل اسے اسکول ہی پسند نہیں آیا کیونکہ یہاں آ کر اسے پڑھنا جو پڑتا تھا۔ اسے بار بار اپنے پرانے گھر کی یاد آتی تھی جہاں وہ دن بھر آزادی سے گھومتی رہتی تھی۔ اس کی لاپرواہی دیکھ کر مام نے اس کے لئے ایک ٹیوٹر کا انتظام کیا۔ مس ایملی جو ایک پیاری سی خاتون تھیں مونا کو پڑھانے آنے لگیں، لیکن مونا لیزا کی بے توجہی اور سستی سے وہ بہت جلد عاجز آ گئیں۔

"یہ پڑھائی پر بالکل بھی توجہ نہیں دیتی" انہوں نے مونا کی مام سے شکایت کی۔

"ہوم ورک نہیں کرتی، پوئمس یاد نہیں کرتی اور اسے تو تین کا پہاڑا بھی صحیح طریقے سے یاد نہیں"۔

"میں اسے اور برداشت نہیں کر سکتی۔ آئم سوری مگر آپ کسی اور ٹیوٹر کا انتظام کر لیجئے"، وہ معذرت کر کے چلی گئیں۔

موسم بدلا اور سردیاں شروع ہو گئیں۔ مونا لیزا نے پہلی بار سردی

کا موسم دیکھا تھا کیونکہ اس کے جزیرے کا موسم ہمیشہ معتدل رہتا تھا۔ مونا کو سردیاں کچھ خاص اچھی نہیں لگیں کیونکہ اسے موٹے موٹے اونی کپڑے پہننے پڑتے تھے۔

ایک دن حسب معمول اس نے اسکول سے آکر ڈریس بدلا، کھانا کھایا اور بیڈ پر بیٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ آج باہر بہت تیز ہوا چل رہی تھی۔ اس کی اسکول ٹیچر نے بتایا تھا کہ شاید آج طوفان آنے والا تھا۔ مونا کو نہیں پتا تھا کہ طوفان کیا ہوتا ہے۔

اچانک مونا نے محسوس کیا کہ سڑکوں پر چلتی گاڑیاں اسے کچھ دھندلی نظر آرہی ہیں، اس نے کھڑکی پر منھ سے بھاپ نکالی اور شیشہ اچھی طرح سے صاف کیا لیکن اس بار اسے کچھ اور دھند محسوس ہوئی۔ تیز ہوا کے ساتھ کچھ سفیدی سی تھی، اس نے غور سے دیکھا تو اسے گاڑیوں کی چھت اور بونٹ بھی سفید دکھنے لگے۔ وہ سفید چیز ہوا کے ساتھ تیزی سے زمین پر گررہی تھی۔ نرم نرم روئی کے گالوں جیسی اس سفید شئے نے تھوڑی ہی دیر میں ہر چیز ڈھک دی۔

''مجھے اسے باہر جا کر دیکھنا چاہئے۔'' مونا نے سوچا اور جوتے پہن کر چپکے سے دروازہ کھول کر لان میں آگئی۔ وہ سفید نرم چیز یہاں بھی گررہی تھی، اس نے جھک کر گھاس سے اس چیز کو ہتھیلی پر اٹھایا لیکن یہ کیا؟ وہ چیز تو اس کے ہاتھوں میں آتے ہی پانی بن گئی۔

"مام" اس نے بے ساختہ اندر کی طرف دوڑ لگائی۔

"مام! میں نے باہر ایک جادو کی چیز دیکھی ہے، وہ سفید رنگ کی ہے، جب میں نے اسے اٹھایا تو میرے ہاتھ میں آ کر غائب ہوگئی۔"

"اوہ اچھا! چلو مجھے بھی دکھاؤ۔" مام اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئیں۔

"یہ دیکھو مام"، مونا نے لان کی گھاس کی طرف اشارہ کیا جو پوری سفید ہو رہی تھی۔

"اوہ بے بی! یہ تو برف ہے۔"

"برف؟؟"

"ہاں تم اندر چلو، میں تمہیں برف کے بارے میں بتاتی ہوں۔" مام اسے لے کر آتش دان کے پاس بیٹھ گئیں، اور پھر انہوں نے مونا کو برف کے بارے میں بہت کچھ بتایا، اسے برف کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا طوفان تھا۔

شدید برف باری کی وجہ سے اسکول کی چھٹیاں ہوگئیں تھیں، اب مونا کا زیادہ تر وقت برف کے ساتھ گزرنے لگا۔ وہ گھنٹوں کھڑکی سے باہر گرتی برف کو دیکھتی رہتی۔ جب کبھی برف باری تھوڑی دیر کے لیے رکتی تو وہ دوڑ کر لان میں جاتی اور برف کے گولے بنا بنا کر خود ہی کھیلتی رہتی۔

ایک دن وہ اسی طرح کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جب اس کی نظر سڑک کے دوسری جانب بنے میری کے گھر پر پڑی۔ اس کے گھر سے ہری آنکھوں والا ایک خوبصورت نوجوان باہر آ رہا تھا۔ اس کے پیروں میں عجیب سے جوتے تھے، اور پھر مونا لیزا نے اسے برف پر نہایت آسانی سے پھسلتے دیکھا۔ وہ دوڑ کر اس کے پاس گئی۔

"ہیلو! میں مونا لیزا ہوں۔" اس نے اپنا ننھا سا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ہیلو بے بی! میرا نام جیک ہے، میں میری کا کزن ہوں۔" اس نے خوش دلی سے مونا کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے تمہیں پہلے کیوں نہیں دیکھا؟" مونا نے معصومیت سے پوچھا۔

"کیونکہ میں کل ہی شکاگو سے آیا ہوں۔" وہ زور سے ہنسا۔

"یہ کیسے جوتے ہیں؟" مونا نے اس کے جوتوں کی طرف اشارہ کیا، اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"اوہ لٹل گرل! یہ آئس اسکیٹس Ice Skates ہے، اس سے برف میں پھسلنے میں بہت مزہ آتا ہے۔" جیک نے اسے سمجھایا۔

اس طرح مونا لیزا نے اپنا پہلا دوست بنایا۔ وہ گھنٹوں جیک کو اسکیٹنگ کرتے دیکھتی رہتی۔ اس نے جیک کو اپنی مام سے بھی ملوایا۔ جیک نے مام سے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ دھیرے دھیرے جیک نے محسوس کیا کہ مونا کا کوئی بھی دوست نہیں۔ شاید اس لیے کہ مونا لیزا کے اندر خود اعتمادی کی بہت کمی تھی اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مونا پڑھائی میں زیرو تھی۔

"مونا کیا تمہیں پڑھائی اچھی نہیں لگتی؟" ایک دن جیک نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے اسکول بھی گندا لگتا ہے۔" مونا نے کہا۔

"اوہ! لیکن... لیکن میں تو ایسے بچوں سے دوستی نہیں کرتا جو پڑھنے سے بھاگتے ہیں۔"

"کیا؟؟" مونا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اسے لگا جیک ابھی اسی وقت اس سے دوستی توڑ لے گا۔ وہ کافی دیر تک کچھ نہیں بولی۔

"اچھا تمہیں ایک بات بتاؤں!؟" جیک نے مونا کا ننھا سا ہاتھ

تھام لیا۔
''ہاں!'' وہ کمزور سی آواز میں بولی۔
''کل میں واپس جارہا ہوں۔''
مونا لیزا کے لئے یہ اور بری خبر تھی، اسے رونا آنے لگا۔
''اور جب میں اگلی بار آؤں گا تو تمہارے لئے Ice Skates لے کر آؤں گا۔''
''سچ!!'' مونا خوشی سے اچھل پڑی۔
''ہاں۔لیکن ایک شرط پر۔''
''کیا؟'' مونا نے سر اٹھا کر دیکھا۔جیک مسکرا رہا تھا۔
''وعدہ کرو تم دل لگا کر پڑھائی کروگی اور A گریڈ لاؤ گی۔''
''ٹھیک ہے میں وعدہ کرتی ہوں۔'' وہ فوراً مان گئی۔

جیک واپس شکاگو چلا گیا۔کچھ دن مونا لیزا اداس رہی، پھر اسے اپنا وعدہ یاد آیا اور اس نے خوب محنت سے پڑھائی شروع کردی۔ دھیرے دھیرے سبھی ٹیچرس اسے پسند کرنے لگے۔ مام اور ڈیڈ بھی بہت خوش تھے۔اسکول میں مونا کے بہت سے دوست بن گئے تھے۔ایک سال کب گزر گیا پتہ ہی نہیں چلا۔پھر جب رزلٹ آیا تو سب حیران رہ گئے۔مونا لیزا کا رزلٹ A پلس تھا۔ڈیڈ نے اس کا رزلٹ جیک کو بھی ای میل کردیا تھا۔

سردیاں پھر واپس آگئی تھیں اور لمبی لمبی چھٹیاں شروع ہوگئی تھیں۔ایک دن ڈوربیل بجی، مونا نے دروازہ کھولا سامنے جیک کھڑا تھا۔
''کیسی ہو ننھی دوست!'' جیک گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔
''اوہ جیک۔'' وہ خوشی سے چیخ پڑی۔
''یہ لو تمہارا گفٹ۔'' جیک نے اسے ایک ڈبہ دیا۔

مونا نے اسے کھولا اس میں انتہائی خوبصورت اسکیٹ شوز تھے، اس نے جلدی سے انہیں پہنا اور بولی۔
''تھینک یو جیک!'' اور دوڑتی ہوئی باہر بھاگ گئی اسے برف پر پھسلنا جو تھا، اپنے ڈھیر سارے دوستوں کے ساتھ۔□

♦ حمیرہ عالیہ معرفت علاالدین ندوی پوسٹ بکس 93 ٹیگور مارگ لکھنؤ 226007

محمد حسین مُشاہد رضوی

یہ دوستی

چیں چو بلی اور توتو کتا مل کر کھیل رہے تھے۔ چیں چو نے توتو کو دھکا مارا۔ توتو گر پڑا۔ چیں چو تالی بجانے لگی۔ ''گرادیا...گرادیا...'' توتو اٹھ گیا۔ اسے تھوڑی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے مٹی جھاڑی اور چیں چو سے بولا: ''مَیں گراؤں تو کہنا مت کہ گرا دیا۔ ایسا دھکا ماروں گا کہ تم لڑھکتی چلی جاؤ گی۔''

''تم گرا ہی نہیں سکتے۔'' چیں چو ہنسنے لگی۔

''اچھا۔''

''ہاں!''

''تو تیار ہو جاؤ۔''

چیں چو پنجے گڑا کر کھڑی ہوگئی۔

توتو جانتا تھا کہ چیں چو پنجے گڑا کر کھڑی ہو جائے گی اور وہ اسے گرا نہیں پائے گا۔ پھر بھی وہ اس کے پاس آیا اور دھکا مارا۔ چیں چو ذرا سی ڈگمگا کر رہ گئی۔

''تم میں تو بہت طاقت ہے۔ مَیں سچ مچ تمھیں نہیں گرا پایا۔'' توتو بولا۔

''مَیں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔'' اتنا کہہ کر چیں چو آرام سے کھڑی ہوگئی۔ توتو ہوشیاری سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا پیچھے ہٹا اور تیزی سے آکر ایک دھکا مارا۔ چیں چو زور سے لڑھک کر زمین پر گر گئی۔ اب تالی بجانے کی باری توتو کی تھی۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

چیں چو اور توتو دونوں بہت کھلنڈرے تھے وہ دونوں اس وقت

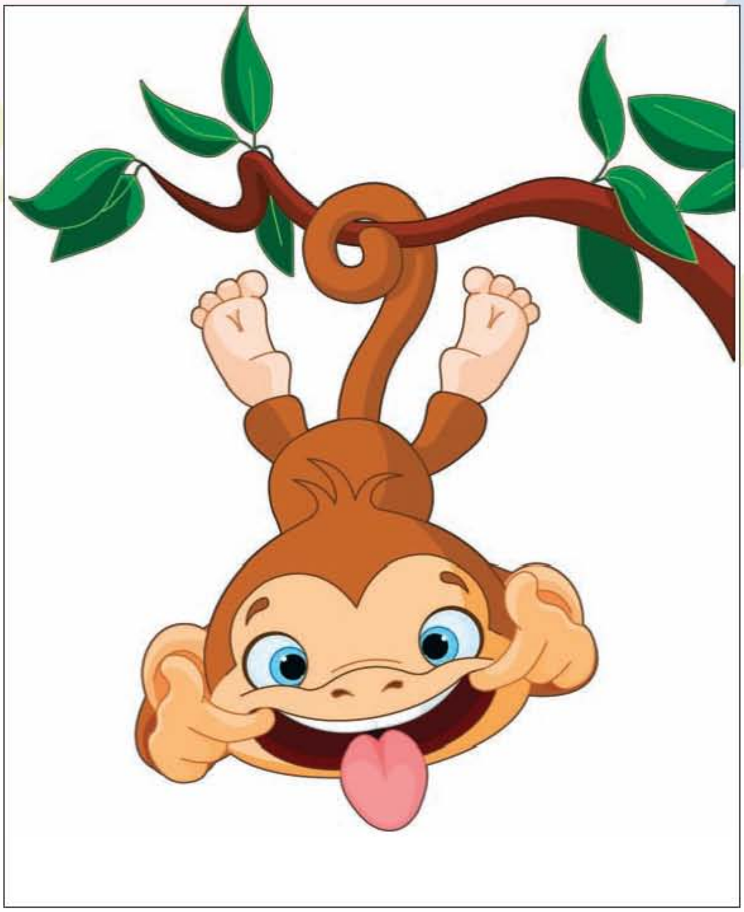

مذاق ہی تو کر رہے تھے۔ چیں چو کھڑی ہوگئی۔ اس نے بھی اپنے جسم پر لگی دھول مٹی جھاڑی اور بولی: ''ایسا دھکا دینے سے کیا ہوتا ہے؟ ذرا پہلے ہی بول کر دیتے تو سمجھ میں آتا۔ مجھے نہیں گرا سکتے تھے۔''

توتو کچھ نہیں بولا اور ہنستا رہا۔

اس کے بعد توتو کہیں سے گیند اٹھا لایا۔

دونوں کچھ دیر گیند سے کھیلتے رہے۔

شام ہو رہی تھی۔ توتو بولا: ''چیں چو! اب مَیں گھر جاؤں گا۔ آج تو کھیلتے کھیلتے تھک گیا ہوں۔ ماں انتظار کر رہی ہوگی۔ آج وہ کچھ دیر بعد مجھے کہیں گھمانے لے جائیں گی۔''

''تو جلدی جاؤ!'' چیں چو بولی۔ ''مَیں بھی تھک گئی ہوں۔ لیکن کل مجھے ضرور بتانا کہ تم کہاں گھومنے گئے تھے۔'' وہ پھر بولی۔ ''کل میری ماں مجھے کچھ نئی چیز کھانے کو دینے والی ہیں مگر مجھے بتایا نہیں ہے۔ دیکھیں کیا دیتی ہیں؟''

توتو اپنے گھر چل دیا اور چیں چو اپنے گھر۔ دونوں کو الگ الگ سمت جانا تھا۔

جب چیں چو اپنے گھر جا رہی تھی۔ راستے میں پھدکو بندر ملا۔ وہ درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا تھا۔ چیں چو کو دیکھتے ہی شاخ پر سے بولا: ''خوخو... خوخو۔''

چیں چوں سمجھ گئی کہ یہ پھدکو بندر ہے۔

''ارے بھئی! کیا حال ہے؟ نیچے تو آؤ۔'' چیں چو بولی۔ ''کچھ کہنا ہے کیا؟''

''کہنا تو ہے لیکن نہیں کہوں گا۔ آج کل تو تم توتو کے ساتھ زیادہ کھیلتی ہو۔ مَیں درخت کی شاخ پر اکیلا بیٹھا رہتا ہوں۔ تمھیں میرا خیال ہی نہیں رہتا۔'' پھدکو نے شکایت کی۔

''تو تم بھی کھیلا کرو ہمارے ساتھ، بڑے برگد کے پاس آجایا کرو۔ وہیں توتو آتا ہے ہم تینوں مل جُل کر کھیلا کریں گے۔'' چیں چو نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''ہاہا... ہاہا... ہاہا'' پھدکو زور سے ہنسا اور کہنے لگا: ''مَیں توتو کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ نہ جانے کب کاٹ لے؟ جب وہ بھونکتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے بادل گرج رہا ہو۔ مجھے تو اُس سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''تم بے کار میں توتو سے ڈر رہے ہو۔'' چیں چو بولی۔

''مَیں بے کار میں نہیں ڈر رہا ہوں۔ بلکہ صحیح معنوں میں ڈر رہا ہوں۔'' پھدکو نے کہا۔ اور پھر سرگوشی کے انداز میں چیں چو سے کہنے لگا کہ: ''مَیں تو کہوں گا کہ اب تم بھی اُس کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دو نہیں تو وہ کسی دن تمھیں بھی ضرور دھوکا دے گا۔ تمھارے دونوں کان

کاٹ کر کھا جائے گا یا تمہاری دم چبا لے گا۔ بہت دھوکے باز ہے۔"

"یہ سراسر غلط ہے۔" چیں چو بولی۔

"غلط بات نہیں ہے۔" پھدکو نے بات کاٹی اور آگے بولا: "کیا بلی اور کتے کی کبھی دوستی رہ سکتی ہے۔ بلی کتے کو دیکھ کر ہمیشہ ڈرتی رہی ہے۔ کوئی وجہ ہوگی تب ہی تو بلی کتے سے ڈرتی ہے۔ مَیں نے تمہاری بھلائی کے لیے یہ نصیحت کی ہے اب تمہاری مرضی تمہیں اس کے ساتھ کھیلنا ہے کھیلو یا مت کھیلو۔ لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔"

پھدکو نے پھر سے یہ بات دہرائی کہ: "وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھا جائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے کہ بلی اور کتے کی کبھی نہیں نبھتی لیکن یہ سب کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست ہیں۔" چیں چو نے پھدکو سے کہا۔

"اچھا! دوسری مثال بھی سنو۔" پھدکو بولا: "شیر اور ہرن میں کبھی دوستی نہیں سنی گئی۔ جب بھی شیر ہرن کو دیکھتا ہے، وہ اس کو مارنے دوڑتا ہے۔ اگر پکڑ لیتا ہے تو وہ ہرن کو مار ہی ڈالتا ہے۔ اس لیے ہرن شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔ اسی طرح بلی اور کتے کا معاملہ ہے۔"

"مَیں تمہاری اس بات سے اختلاف نہیں کرتی۔" چیں چو نے کہا: "بلکہ مَیں ایک مثال اور دیتی ہوں، وہ بھی کسی دوسرے کی نہیں خود اپنی یعنی بلی اور چوہے کی۔ بلی چوہے کی دشمن ہے، وہ جہاں کہیں چوہے کو دیکھتی ہے اس کو مار ڈالتی ہے۔ لیکن کہیں بلی اور چوہے کی دوستی ہوئی ہے؟ میری اور توتو کی دوستی کی بات الگ ہے۔"

"مَیں نے جو سمجھا وہ تمہیں بتا دیا۔" پھدکو بولا۔ "تم میری اچھی دوست ہو۔ اس لیے تم کو بتا دیا، نصیحت کر دی، اب تمہاری مرضی تم میری بات مانو یا نہ مانو، لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔"

پھدکو نے ایک بار پھر اپنی بات دوہرائی: "وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھا جائے گا یا تمہاری دم چبا لے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔"

چیں چو کو پھدکو کی یہ باتیں اچھی نہیں لگیں۔ یہ تو کسی کی برائی بیان کرنا ہوا، غیبت کرنا ہوا۔ برائی اور غیبت تو دشمن کی بھی نہیں کرنی چاہیے۔ غیبت کرنا یا کسی کی دوستی کو توڑنا یا کسی میں جھگڑا کروا دینا اچھی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو سب سے بڑا دھوکا ہے۔ اُس نے یہ باتیں پھدکو سے نہ کہیں بلکہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے چپ چاپ اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔

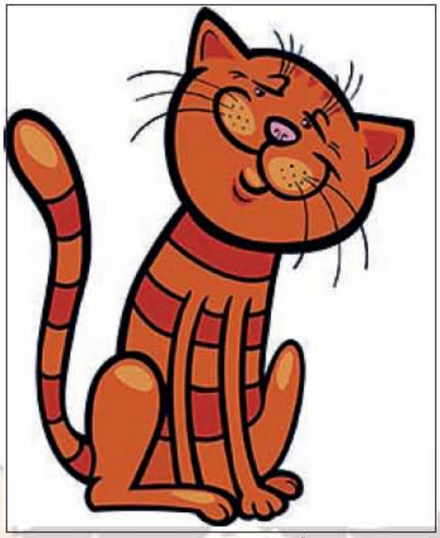

چیں چو اور توتو ہمیشہ کی طرح کھیلتے رہے، ہنستے بولتے، گاتے رہے۔ چیں چو روز پھدکو کو کھیلنے کے لیے بلاتی رہی لیکن وہ بار بار بلانے کے باوجود کبھی ان کے ساتھ کھیلنے نہیں آیا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ توتو اُسے کاٹ لے گا، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ بلکہ وہ چیں چو سے اکثر کہتا کہ وہ کسی دن تمہیں دھوکا دے سکتا ہے وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھا جائے گا یا تمہاری دم چبا لے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔

وقت گذرتا رہا۔ ایک دن جھاڑی کے قریب سے چند لڑکے جارہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں غلیلیں تھیں۔ وہ صورت شکل سے ہی بڑے شرارتی لگ رہے تھے۔ چیں چو اور توتو جہاں کھیل رہے تھے وہ لڑکے وہیں سے گذرے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: ”میرا نشانہ ایسا پکا ہے کہ جس کو غلیل ماروں وہ بچ ہی نہیں سکتا۔ مَیں اڑتے ہوئے پرندے کا بھی نشانہ لگا سکتا ہوں۔“

”تو چلیں بندر کو غلیل ماریں۔“ ایک لڑکے نے کہا۔ ”وہ دیکھو! بندر شاخ پر بیٹھا ہے۔“

”ہاں دیکھیں! کس کا نشانہ صحیح بیٹھتا ہے؟“ دوسرے لڑکے نے کہا۔

اُن لڑکوں کی باتیں چیں چو نے بھی سنا اور توتو نے بھی۔ توتو بولا: ”چیں چو! تم یہیں رہو۔ مَیں اِن لڑکوں کے ساتھ ساتھ جاتا

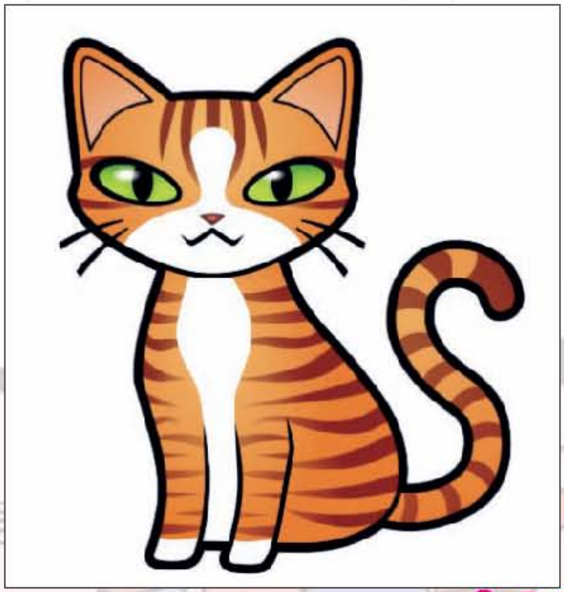

ہوں۔ یہ جیسے ہی غلیل چلانے جائیں گے۔ مَیں اتنی زور سے بھونکوں گا کہ یہ ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ اپنی بھوں بھوں سے مَیں انھیں ایسا ڈراؤں گا کہ پھر کبھی بھی وہ ادھر آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے، لیکن مَیں بھی آتی ہوں۔ تم جا کر اُن لڑکوں کو ڈراؤ۔“ چیں چو نے کہا۔

لڑکے جلدی سے درخت کے پاس پہنچے۔ ایک لڑکے نے کہا: ”دیکھو میرا نشانہ کتنا صحیح ہے مَیں غلیل چلاؤں گا تو میرا ڈھیلا سیدھا بندر کے سر پر لگے گا۔“

توتو کے قریب آ کر چیں چو بھی کھڑی ہوگئی۔ پھدکو بندر درخت پر سے دیکھ رہا تھا کہ ایک لڑکا اس کو غلیل مارنے والا ہے۔ اُس نے سوچ لیا کہ جیسے ہی وہ لڑکا غلیل چلائے گا وہ چھلانگ لگا کر دوسری شاخ پر چلا جائے گا۔

لڑکے نے جیسے ہی غلیل سے نشانہ لگایا۔ توتو ایسی زور سے بھوں بھوں بھونکا کہ وہ بُری طرح ڈر گئے اور غلیل وہیں پھینک کر نو دو گیارہ ہو لیے۔ پھدکو نے دیکھا کہ لڑکے ڈر کر وہاں سے بھاگے ہیں اور ان کو توتو نے ڈرا کر بھگایا ہے۔

اب پھدکو بڑا شرمندہ ہوا۔ کہیں ڈھیلا اسے لگ جاتا تو؟ توتو

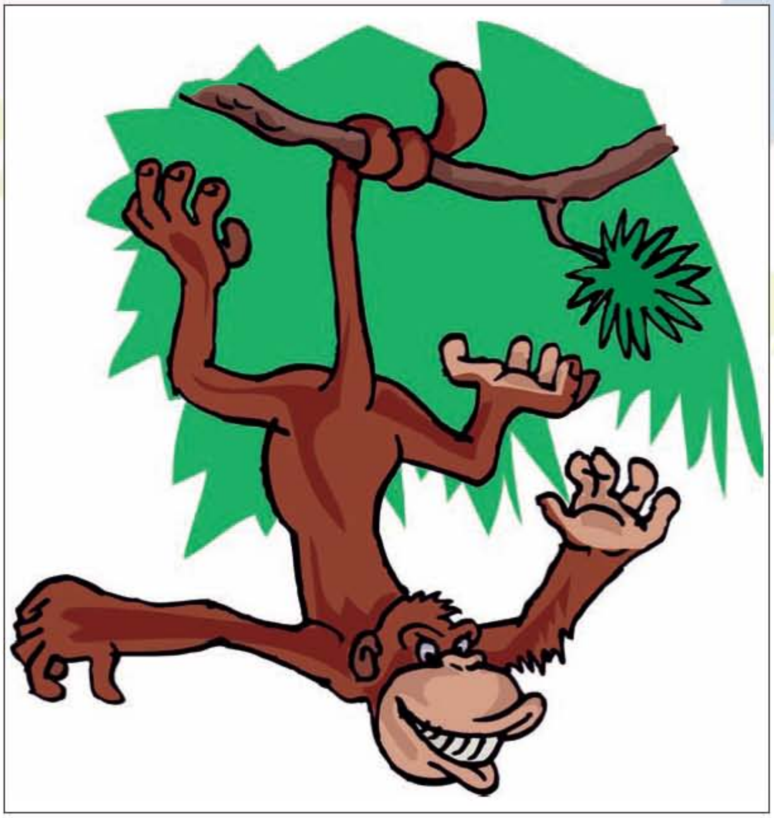

نے شرارتی لڑکوں کو بھگا کر اُس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

پھدکو شاخ سے کود کر نیچے آیا اور توتو سے بولا: ''بھیا! مجھے معاف کر دینا۔''

''کس بات کے لیے؟'' توتو نے انجان بن کر پوچھا۔

''کیا چیں چو دیدی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟'' پھدکو نے کہا۔

''مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔'' توتو بولا اور چیں چو سے پوچھا: ''کیا بات ہے چیں چو؟''

''کچھ نہیں کوئی بات نہیں ہے۔'' چیں چو بولی۔ وہ توتو کو کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں پھدکو اور توتو میں دراڑ پڑ جائے۔ مگر پھدکو خود ہی بول اٹھا: ''میں نے ایک دن چیں چو سے کہا تھا کہ توتو تمہیں کسی دن دھوکا دے گا، اُس کا ساتھ چھوڑ دو۔''

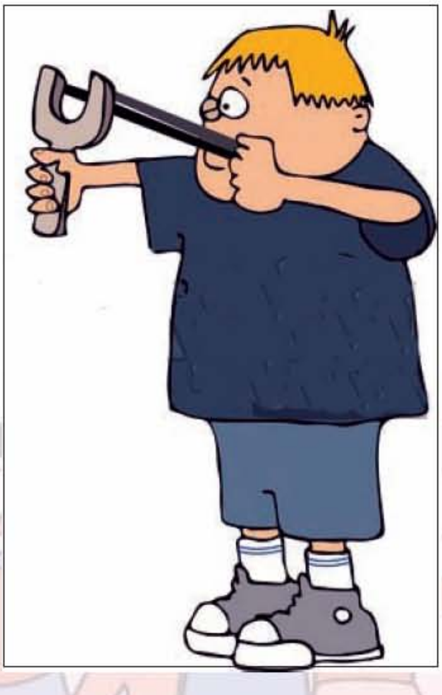

توتو ہنسا: ''بس اتنی سی بات، اس کے لیے معافی مت مانگو۔ تمہارے دل میں شک تھا سو وہ آج دور ہو گیا۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

توتو کتے نے پھدکو بندر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کا ہاتھ چیں چو بلی نے۔ اس کے بعد تینوں گاتے ہوئے وہاں سے چل دیے:

ہم تینوں دوست ہیں... ہم تینوں دوست ہیں۔ ◘

مصنف کی کتاب سے ماخوذ

ڈاکٹر محمد حسین مُشاہد رضوی سروے نمبر 39 پلاٹ 14
نیا اسلام پورہ مالیگاؤں ناسک 423203 مہاراشٹر

سلیم خاں

چنے مزے دار

ہمارا اردو ہائی اسکول شہر کا ایک مثالی اسکول تھا۔آس پاس کے دیہات سے بھی بچّے یہاں پڑھنے آتے تھے۔اسکول کی پچاس سالہ پرانی عمارت آج بھی مضبوط اور دل کش تھی۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ عمارت کی تعمیر میں بزرگوں کے خون پسینے کی کمائی لگی تھی۔اسکول کے سامنے کافی لمبا چوڑا کھیل کا میدان تھا۔اس کے اطراف کمپاؤنڈ وال کے ساتھ درختوں کا احاطہ سا بنا ہوا تھا۔اسکول کے قریب ہی املی کا ایک گھنا تناور پیڑ تھا،اس کے چاروں طرف بنے ہوئے چبوترے پر بچّے اچھل کود اور ہنسی دل لگی کیا کرتے تھے۔اسکول بستی سے دور ندی کے پار بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے وہاں کوئی مستقل دکان نہیں تھی۔وقفے کی چھٹی میں اِکا دُکّا پھیری والا یا کبھی کوئی ہاتھ گاڑی والا آ جاتا۔پھیری والے بھی اسی املی کے سائے میں اپنا مال بیچتے تھے۔

ایک روز اتفاق سے وہاں ایک چنے والا آ پہنچا۔بچّوں نے چنے بڑے شوق سے لیے اور منٹوں میں اس کے سارے چنے بک گئے۔

دوسرے دن وہ چنے والا کچھ زیادہ چنے بنا کر لایا۔چنے مسالے دار چٹ پٹے تھے،جس نے کھائے اپنے ساتھی کو بھی کھلائے اور کچھ بچّوں کو چنے والے نے چکھنے کو بھی دیا۔چنے والا باقاعدہ آنے لگا۔اس کی گاہکی روز بروز بڑھنے لگی اور وہ زیادہ سے زیادہ چنے بنا کر لانے لگا۔

چنے والا جہاں کھڑے ہو کر چنے بیچا کرتا تھا،وہ جگہ میرے کلاس روم کے بالکل سامنے تھی۔وہ ایک لُونا بائک کے ذریعے ٹھیک درمیانی چھٹی کے وقت آ جاتا۔ اس کی بائک کی کیاری پر پیٹی نما ایک بکس اس طرح فٹ تھا جیسے وہ بائک کا ہی ایک حصّہ ہو۔بکس میں پندرہ بیس کلو چنے آسانی سے سما سکتے تھے۔سفید کرتا پاجامہ، کالا جیکٹ اور سر پہ رومال لپٹا ہوا،اس کا مخصوص حُلیہ تھا۔ایک آدھ گھنٹے میں چنے بیچ کے وہ فوراً بائک پر سوار ہو کر چلا جاتا اور دوسرے پھیری والے اسے حیرت سے دیکھتے رہ جاتے۔

اب کچھ ٹیچرس بھی طلبہ کے ذریعے چنے منگوا کر کھانے لگے تھے۔ایک روز میرا کلاس مانیٹر جمال احمد میرے پاس آیا اور کاغذی

پلیٹ میں چنے پیش کرتے ہوئے بولا، "سر، چنے کھائیے، بہت مزے کے ہیں۔"

"تم کھاؤ، میں نے ابھی چائے پی ہے۔"

"تھوڑے لیجیے نہ سر، پلیز!"

اس کا دل رکھنے کے لیے میں نے ایک چمچ چنے منہ میں ڈال لیے۔ واقعی چنوں کا ذائقہ کچھ خاص تھا۔

جمال احمد بڑا باذوق طالب علم تھا۔ وہ پہلی بینچ پر میرے ٹیبل کے قریب ہی بیٹھتا تھا۔ اس کی عمر بارہ سال تھی لیکن بات چیت کا انداز اور طرزِ عمل بڑوں جیسا تھا۔ چنے والے سے اس کی گہری دوستی ہوگئی تھی۔ وہ اکثر چنے والے کا ہاتھ بٹاتے دکھائی دیتا تھا۔ بچّوں کو چنوں کی چاٹ لگ گئی تھی۔ چنے والے کو آتے دیکھ کر ان کے چہرے کھِل جاتے اور اس کی بانگ رکتے ہی سب اسے گھیر لیتے اور اگر اس کے آنے میں دیر ہوجاتی تو بچّے بے تابی سے اس کا انتظار کیا کرتے۔ میں اکثر جمال سے اس کے متعلق پوچھتا، "کیوں میاں، کیسا چل رہا ہے تمہارے چنے والے دوست کا؟"

وہ چہک کر جواب دیتا، "بہت تیزی ہے سر، چاندی ہو رہی ہے اس کی۔ لاؤں سر آپ کے لیے۔"

"نہیں، نہیں، بس یوں ہی پوچھ رہا تھا۔"

ایک دن جمال کو چنے والے سے باتیں کرتے دیکھ کر میں بھی اس کے پاس جا پہنچا۔ مجھے دیکھ کر وہ کچھ گھبرا سا گیا کہ شاید میں کوئی شکایت کرنے آیا ہوں۔ مگر مجھے مسکراتا دیکھ کر اس نے مجھے کیا اور فوراً چنوں سے بھری ایک پلیٹ میری طرف بڑھا دی۔

"نہیں نہیں، ابھی ناشتہ کیا ہے۔" میں نے منع کیا۔

"سر آپ نے میرے چنے کھائے نہیں ورنہ انکار نہ کرتے!"

"میں کھا چکا ہوں بھائی، کمال کے چنے بناتے ہو تم۔ جس نے ایک بار تمہارے چنے کھائے، وہ تمہارا گاہک ہوگیا۔"

اس نے چنوں میں چمچہ گھماتے ہوئے کہا، "سر جی، یہ ہمارا خاندانی پیشہ ہے۔ بنانے کی ترکیب اور عمدہ مال مسالا، بس یہی اصل وجہ ہے۔"

اسی وقت گھنٹی بجی، جمال احمد اپنے کلاس روم کی طرف بھاگ گیا، میں آفس کی جانب چل دیا اور چنے والا پلک جھپکتے میں غائب ہوگیا۔ اس ملاقات کے بعد میں جب بھی چنے والے کے سامنے سے گزرتا وہ بڑے ادب سے ہاتھ اٹھا کر مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

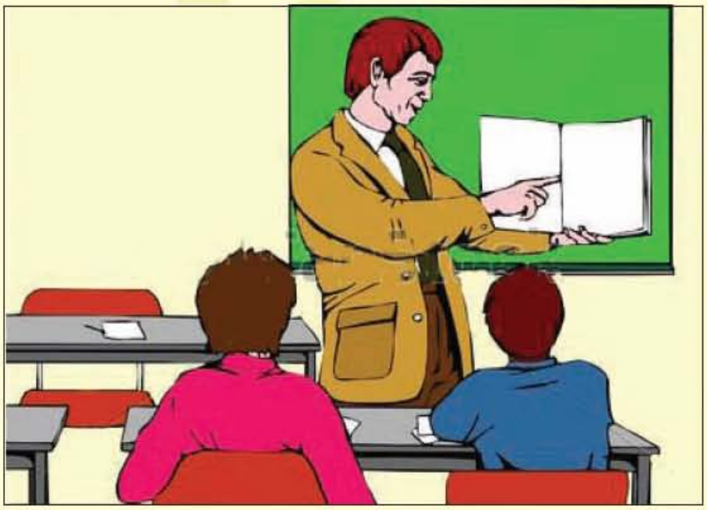

پانچ چھ ماہ تک چنے والے کا کاروبار خوب چلتا رہا۔ پھر وہ اچانک ہی رک گیا۔ دو تین روز تک بچے بدستور ایک دوسرے سے پوچھتے رہے، کچھ بچّوں نے پھیری والوں سے بھی دریافت کیا۔ ایک روز میں نے بھی جمال احمد سے پوچھا، "جمال، یہ تمہارا چنے والا کہاں غائب ہوگیا؟"

"پتا نہیں سر۔!" اس نے افسردہ لہجے میں دیا۔

"ارے میاں، کئی ذمہ داریاں ہوتی ہیں انسان کی۔ کوئی ضروری کام ہوگا یا کسی گاؤں گیا ہوگا، آجائے گا۔" میں نے اس کی دل جوئی کی۔

دس پندرہ روز بعد ایک دن جمال احمد گھبرایا ہوا میرے پاس آیا،

''سر، چنے والے کا اکلوتا بیٹا گزر گیا ہے۔!''

'' تمھیں کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''ایک پھیری والے نے بتایا سر۔'' اس کی آنکھوں میں نمی اور آواز میں درد تھا۔

میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا، ''تم فکر نہ کرو، چنے والے کا گاؤں میرے راستے میں ہی پڑتا ہے، میں تعزیت کر آؤں گا۔''

دوسرے روز اسکول ہاف ڈے Half day تھا۔ چھٹی کے بعد گھر جانے کے لیے میں نے جیسے ہی بائک اسٹارٹ کی، جمال میرے سامنے آکر بولا، ''سر، چنے والے سے ضرور...''

مجھے یاد ہے بیٹے۔'' اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی میں کہا۔

چنے والے کا گاؤں ایک چھوٹا سا دیہات تھا۔ پتا پوچھ کر بڑی آسانی سے میں اس کے گھر پہنچ گیا۔ کشادہ آنگن میں چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ وہیں قریب نیم کے سائے میں بیٹھی تین چار بکریاں جگالی کر رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر چند کچے پکے مکان تھے۔ مگر ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی چنے والا اپنے گھر سے باہر نکل آیا۔ مجھے چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ میں نے جیسے ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولنا چاہا، وہ بے ساختہ رو پڑا۔ میں اسے سمجھاتا رہا مگر وہ رہ رہ کر ایسے زاروقطار روتا رہا جیسے اسے کوئی پچھتاوا ہو رہا ہو

دروازے میں کھڑی اس کی بیوی اور بچیاں بھی گھٹی گھٹی آواز میں رو رہی تھیں۔ میں نے انھیں پانی لانے کا اشارہ کیا۔ چنے والا روتے ہوئے بولا، ''میں بہت بُرا آدمی ہوں سر، بہت کمینہ ہوں۔''

میں اسے حیرانی سے دیکھتا رہ گیا۔ پھر اسے پانی پلانے کے بعد اپنائیت سے پوچھا، کچھ بتاؤ تو سہی، ماجرا کیا ہے۔ کیا ہوا تھا بچے کو؟

آنسو پونچھ کر اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا، ''سر جی میرا بیٹا نو برس کا تھا، اس کے پیٹ میں کبھی کبھی درد ہوتا تھا، ایک دن شدید درد سے وہ تڑپنے لگا تو میں اسے بڑے ڈاکٹر کے پاس شہر لے گیا۔ سونوگرافی اور خون کی جانچ سے معلوم ہوا کہ اسے معدہ کا کینسر ہے۔ منہ کی جانچ سے پتا چلا کہ وہ گٹکا کھاتا ہے۔'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔

پھر نظریں جھکا کر بولا، ''سر جی، دراصل میں چنوں میں گٹکا ملایا کرتا تھا تاکہ بچے چنا کھانے کے عادی ہو جائیں اور میرا مال زیادہ سے زیادہ بکتا رہے۔ حالانکہ یہ کام میں تنہائی میں کیا کرتا تھا۔ مگر کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے، جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ میں باہر گٹکا ملا کر چنے بیچتا رہا اور گھر پر میرا بیٹا چنوں کی بجائے چوری سے گٹکا کھاتا رہا۔ اپنے بیٹے کی موت کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ سر جی، میں آپ کے اسکولی بچوں کا بھی گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے۔''

وہ پھر رو پڑا۔ چنوں میں گٹکے کی ملاوٹ! مجھے جھٹکا سا لگا، دل میں آیا کہ اسے خوب بُرا بھلا کہوں لیکن، خیال آیا کہ قدرت نے تو اسے ایسی سزا دی ہے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ میں نے غصہ پی کر دردمندی سے کہا، ''بس اب صبر کرو اور اپنے بیوی بچوں کا خیال رکھو، چلتا ہوں!''

وہ بوجھل قدموں سے میرے ساتھ بائک تک آیا اور لرزتی آواز میں بولا، ''سر جی! ایک التجا ہے آپ سے!''

میں نے دیکھا اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''سر جی یہ حقیقت جمال احمد کو مت بتانا۔!'' اور اس کی آنکھیں چھلک پڑیں!! □

♦ سلیم خان، طٰہٰ نگر فیض پور ضلع جل گاؤں 425503 مہاراشٹر

◻ادارہ

مئی کا مہینہ جولین اور گریگورین کیلینڈروں کا پانچواں اور شمسی سال کے 31 دن والے سات مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔ زمین کے جنوبی گولے Hemisphere میں، جہاں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ واقع ہیں یہ خزاں یا پت جھڑ Autumn کا مہینہ ہوتا ہے اور شمالی گولے میں، خاص طور سے یوروپ میں موسم بہار Spring کا آخری مہینہ۔ ایشیا، خاص طور سے جنوبی ایشیا میں مئی کے مہینے سے گرمی کا موسم باقاعدہ شروع ہوجاتا ہے۔ موسم کے لحاظ سے جنوبی گولے میں یہ مہینہ شمالی کرہ کے نومبر مہینے جیسا ہوتا۔ اوسط درجہ حرارت کے حساب سے یہ جولائی، جون اور اگست کے بعد سال کا چوتھا سب سے گرم مہینہ ہے اور بارش کے لحاظ سے بھی جولائی، اپریل اور جون کے بعد سال کا چوتھا ہی زیادہ بارش والا مہینہ ہے۔ اس مہینے کا نام یونانی دیوی مائیا Maia کے نام پر مئی May پڑا تھا۔ اور اب ہم نظر ڈالیں گے اس مہینے میں دنیا بھر میں پیش آنے والے اہم واقعات پر۔ مگر اس یاددہانی کے ساتھ کہ یہ اس سیریز کا بارہواں اور آخری مضمون ہے۔

یکم مئی: مئی کے پہلے دن کو یوم مئی May Day بھی کہتے ہیں اور قدیم زمانے سے اسے موسم بہار کے میلے کا دن مانا جاتا رہا ہے۔ سوشلسٹ ملکوں میں اسے مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ دنیا بھر کی

▲ کیوبا میں مزدوروں کے ایک زبردست جلوس کا منظر

کمیونسٹ پارٹیاں اس دن مزدوروں کا عالمی دن مناتی ہیں، اور مزدور، محنت کش اپنے جلوس نکالتے ہیں۔ اس دن بہت سے ملکوں میں عام چھٹی ہوتی ہے۔ ◆ **یکم مئی 1707:** انگلینڈ جس میں ویلز پہلے سے شامل تھا اور اسکاٹ لینڈ مل کر اس روز گریٹ برٹین یعنی برطانیہ عظمیٰ بن گئے۔ موجودہ یونائیٹڈ کنگڈم United Kindom یا یوکے، گریٹ برٹین اور شمالی آئر لینڈ کو ملا کر بنا ہے۔ ◆ **1946:** مشہور برطانوی اداکارہ جوآنا لُم لے سرینگر، کشمیر میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے On Her Majesty's Secret Service اور Trail of the Pink Panther جیسی فلموں اور Absolutely Fabulous اور The New Avengers جیسے ٹیلی ویژن سیریلوں میں کام کیا ہے۔ ◆

▲ جوآنا لُم لے

1960: ہندوستان کا صوبہ بمبئی، دو ریاستوں، مہاراشٹر اور گجرات میں تقسیم ہوگیا۔ ◆ **1960:** اسی روز امریکی صدر آئزن ہاور اور روسی

وزیراعظم نکیتا خرشچیف کی سربراہ ملاقات سے ٹھیک ایک دن پہلے وسطی روس Central Russia میں 60ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتے ہوئے ایک امریکی جاسوس طیارے یوٹو U-2 کو مار گرایا گیا۔ اس سنسنی خیز واقعے کی بنا پر سربراہ ملاقات رد ہوگئی اور دونوں ملکوں کے درمیان سرد جنگ نے زور پکڑ لیا۔ جاسوس طیارے کا پائلٹ سی آئی اے کا ایجنٹ فرانسس گیری پاورز تھا جو پیراشوٹ سے صحیح سلامت اتر آیا تھا۔ اسے روسی حکام نے گرفتار کر لیا اور مقدمہ چلا کر اسے 10 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ دو سال بعد اسے ایک روسی جاسوس کی رہائی کے عوض رہا کر دیا گیا۔ امریکی عوام نے اس کا استقبال نہیں کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ فرانسس نے زندہ گرفتار ہو کر سوویت یونین کے آگے امریکیوں کو نیچا دکھایا ہے۔ 1977 میں ایک ہیلی کاپٹر حادثے میں اس کی موت ہوگئی۔

2 مئی 2011: امریکہ کی اسپیشل آپریشنز فورسز نے پاکستان کے ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن کو ایک چھاپہ مار حملے میں ہلاک کر دیا۔ اسامہ کے حکم پر 11 ستمبر 2001 کو امریکہ کے چار مسافر بردار ہوائی جہاز اغوا کر لیے اور انھیں الگ الگ مقامات پر ٹکرا دیا۔ ان میں سے دو جہاز ورلڈ ٹریڈ سینٹر نیویارک کی 110 منزلہ جڑواں عمارت سے ٹکرائے گئے۔ ایک واشنگٹن میں امریکی فوجی صدر دفاتر کی عمارت پینٹا گان سے ٹکرایا گیا۔ چوتھا جیٹ طیارہ بھی واشنگٹن کی طرف بڑھ رہا تھا مگر اس پر سوار مسافروں نے جب طیارہ ہائی جیک کرنے والوں پر قابو پانے کی کوشش کی تو جہاز پینسلوانیا کے ایک کھیت میں ٹکرا کر تباہ ہوگیا۔

▲ ستیہ جیت رے

اس تمام کارروائی میں تقریباً 3000 لوگ مارے گئے۔ ♦ **1921:** دنیا بھر میں مشہور ہندوستانی فلم ساز و ہدایت کار ستیہ جیت رے کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ♦ **1955:** ہندوستان میں چھوا چھوت Untouchability کو جرم قرار دے دیا گیا۔

3 مئی 1469: اٹلی کے مشہور مصنف اور دانش ور نکولو میکاولی کا اطالوی شہر فلورنس میں جنم ہوا۔ انھوں نے اپنی کتابوں دی پرنس اور ڈسکورسز آن لیوی میں انسانی فطرت اور اس کی طاقت کی ایک سچی تصویر سامنے لانے کی کوشش کی۔ ♦ **1897:** ہندوستان کے پہلے وزیر دفاع وی کے کرشنا مینن، کیرالا کے ضلع کوژی کوڈ میں پیدا ہوئے۔ ♦ **1939:** کو نیتاجی سبھاش چندر بوس نے انڈین نیشنل کانگریس سے الگ ہو کر آل انڈیا فارورڈ بلاک پارٹی قائم کر لی۔ ♦ **1969:** میں ہندوستان کے پہلے مسلم صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کا نئی دہلی میں انتقال ہوگیا۔ وہ 72 برس کے تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ان کی تدفین ہوئی۔ وہ جامعہ کے بانیوں میں شامل تھے۔

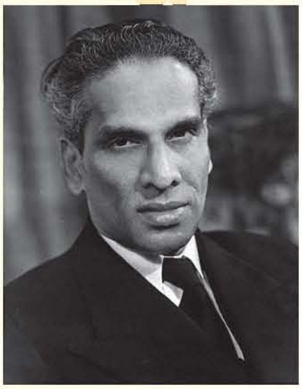

▲ وی کے کرشنا مینن

4 مئی 1494: کرسٹوفر کولمبس نے نئی دنیا (امریکہ) کی دریافت کے بعد دوسرے سمندری سفر میں جمیکا Jamaica کا پتہ لگایا۔ ♦ **1886:** کو امریکہ میں شکاگو کے ہے مارکیٹ اسکوئیر Haymarket Square پر مزدور لیڈروں کی تقریریں سننے کے لیے آئے ہوئے 1300 افراد پر 180 پولیس والوں نے جب چڑھائی کی کوشش کی تو وہاں ایک بم پھینکا گیا جس سے 7 امریکی پولس والے مارے گئے۔ مزدوروں کی تحریک کا یہ ایک اہم واقعہ تھا جس میں بہت سے مزدور اور ان کے لیڈر گرفتار ہوئے اور ان میں سے 4 کو سزائے موت دی گئی۔

5 مئی 1893: امریکہ کے سب سے بڑے شیئرز بازار میں جو کہ نیویارک کی وال اسٹریٹ پر واقع ہے، شیئرز کی قیمت ڈرامائی طور پر گرنے لگی جس سے وہ اقتصادی بحران شروع ہوگیا جسے وال اسٹریٹ

کریش Wall Street Crash کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سال کے آخر تک 600 بنک بند ہو گئے اور 15 ہزار بڑے تاجروں کا دیوالہ نکل گیا۔ یہ امریکہ کا پہلا اقتصادی بحران تھا۔ اس سے بھی زیادہ تباہ کن بحران بیسویں صدی میں آیا۔ ♦1906: مشہور اداکارہ ارسلا جینز شملہ میں پیدا ہوئیں۔ I Lived With You اور Over the Moon ان کی مشہور فلمیں ہیں۔ ♦1916 : ہندوستان کے پہلے سکھ صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ پنجاب میں ضلع فرید کوٹ کے گاؤں ساندھوان میں پیدا ہوئے۔ ♦1961: خلاباز ایلن شیپرڈ نے خلا میں جانے والے پہلے امریکی کا اعزاز حاصل کیا۔ اس سے 23 روز پہلے سوویت یونین روس کا خلاباز یوری گگارین خلا میں جا چکا تھا جو خلا میں پہنچنے والا پہلا انسان تھا۔ ایلن شیپرڈ خلائی جہاز فریڈم کو خلا میں لے گیا اور وہاں اس نے 15 منٹ 28 سیکنڈ تک 116 میل یعنی 186 کلومیٹر کی بلندی پر زمین کا چکر لگایا۔ ♦1818: کمیونزم یا اشتراکیت کے بانی کارل مارکس اس روز جرمنی کے شہر ٹریویز میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے دوست فریڈرک اینگلز کے تعاون سے مشہور کتاب 'داس کیپیٹل' لکھی اور کمیونسٹ مینی فیسٹو تحریر کیا۔ ان کے تحت کارل مارکس نے تمام نجی جائیداد و املاک اور ملکیت کے خاتمے اور تمام پیداوار، پیداواری ذریعوں، زمین، کارخانوں اور مشینری کا مالک مزدور اور محنت کش طبقے کو بنا کر

▲ ارسلا جینز

▲ کارل مارکس

انسانی سماج کو ہر طرح کی لوٹ کھسوٹ سے پاک کرنے کا نظریہ پیش کیا تھا جسے مارکس ازم بھی کہتے ہیں۔ بیسویں صدی میں اس نظریہ کی بدولت تقریباً آدھی دنیا کمیونسٹ ہو گئی تھی۔ ♦1867: امریکی ریاست پنسلوانیا میں اس روز مشہور امریکی صحافیہ نیلی بلائی پیدا ہوئی جو سماجی بہبود کے کام بھی کرتی تھی اور جس نے 1889 میں جولز ورنے کے ناول 80 دن میں دنیا کا سفر کے ہیرو فلیس فوگ کی طرح دنیا کا چکر لگایا اور فلیس فوگ کے مقابلے میں آٹھ دن پہلے ہی یعنی 72 دن میں یہ سفر پورا کر لیا۔ اس نے خود کو پاگل ظاہر کر کے ایک مرتبہ پاگل خانے (دماغی اسپتال) میں بھرتی کرا لیا اور بعد میں پاگلوں کے ساتھ ہونے والے غیر انسانی سلوک کو دنیا کے سامنے بیان کر دیا۔

6 مئی 1542: کو پوپ کے خاص مشنری فرانسس زیویئر نے ہندوستان میں پرتگالیوں کی نوآبادی کی اس وقت کی راج دھانی اولڈ گوا کی زمین پر قدم رکھے۔ ♦1937: جرمن ایئرشپ بحر اٹلانٹک کو پار کر کے امریکی ریاست نیوجرسی کے مقام لیک ہرسٹ کے نزدیک پہنچ کر اپنا سفر مکمل کرنے والا تھا کہ شام سات بج کر 20 منٹ پر وہ ہوا میں ہی پھٹ گیا اور اس پر سوار تمام 97 لوگ جن میں جہاز کا عملہ بھی شامل تھا ہلاک ہو گئے۔ اتفاق سے اس حادثے کی فلم بھی بن گئی تھی جس کے لیے کمنٹری سنانے والا شخص جذبات سے مغلوب ہو کر چلا اٹھا، ''آہ، انسانیت!'' ♦1967: ڈاکٹر ذاکر حسین ہندوستان کے پہلے مسلم صدر جمہوریہ چنے گئے۔ ♦1856: مشہور ماہر نفسیات اور نفسیاتی معاملوں کے تجزیے کا بانی سگمنڈ فرائڈ، سینٹرل یوروپ کے ملک موراویا میں واقع شہر فرابرگ میں پیدا ہوا۔ فرائڈ پہلا شخص تھا جس نے دماغی بیماریوں کو سائنسی طریقے سے پہچانا، ان کے سبب معلوم کیے اور پہلی بار ان کے علاج ڈھونڈے۔ ♦1856: اسی روز امریکی

▲ فرانسس زیویئر

▲ رابرٹ ای پیری

ریاست پنسلوانیا کے شہر کریسن میں رابرٹ ای پیری کی پیدائش ہوئی جس نے شمالی برفانی خطے آرکٹک کے آٹھ سفر کیے، 6 اپریل 1909 کو قطب شمالی پر پہنچنے والے پہلے انسان کا رتبہ حاصل کیا، یہ ثابت کیا کہ گرین لینڈ دراصل ایک بڑا جزیرہ ہے اور قطب شمالی کی برفانی ٹوپی 82 ڈگری عرض البلد Lattitude کے آگے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے وہ جگہ بھی ڈھونڈلی جہاں میل ول Melville شہاب ثاقب Meteorite خلا سے آکر زمین سے ٹکرایا تھا۔

7 مئی 1915: پہلی عالمی جنگ کے دوران، آئرلینڈ کے ساحل کے قریب برطانوی مسافر بردار جہاز لیسی ٹانیا کو ایک جرمن آب دوز کشتی نے تارپیڈو سے حملہ کر کے اڑا دیا۔ جہاز پر سوار 1924 مسافروں میں سے 1198 مارے گئے۔ ان میں 114 امریکی تھے۔ امریکہ حالانکہ اس جنگ میں غیر جانب دار تھا مگر اس واقعے نے جنگ میں جرمنی کے خلاف امریکہ کے شریک ہونے کے عمل کو تیز کر دیا اور آخر امریکہ جنگ میں شامل ہو ہی گیا۔ ♦ **1945:** فرانس کے شہر ریمز میں سرخ اینٹوں سے بنے ایک چھوٹے سے اسکول کی عمارت میں جرمن فوجی جنرل الفریڈ جوڈل نے تمام جرمن فوجوں کے بلاشرط ہتھیار ڈالنے کے کاغذ پر دستخط کیے جس کے ساتھ دوسری عالمی جنگ کا یوروپ میں خاتمہ ہو گیا۔ بعد میں دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی رفتہ رفتہ اس جنگ کی آگ بجھ گئی۔

8 مئی 1933: کو مہاتما گاندھی نے انگریزوں کے ظلم کے خلاف 21 دن کی بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ ♦ **1942:** بحر الکاہل Pacific Ocean میں دوسری عالمی جنگ کے دوران کورل سی Coral Sea کی لڑائی میں جاپان کو اپنی تاریخ کی پہلی ہار کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ لڑائی نیوگنی کے ساحل کے قریب ہوئی تھی۔ انسانی تاریخ کی یہ پہلی جنگ تھی جس میں دونوں طرف کی سمندری فوجوں نے ایک دوسرے کے جہازوں کو دیکھے بغیر صرف ہوائی جہازوں سے ایک دوسرے پر حملے کیے۔ ♦ **1945:** دوسری عالمی جنگ میں جرمنی کے ہتھیار ڈالنے کی دوسری تقریب اس روز برلن میں ہوئی کیونکہ روسی حکمراں جوزف اسٹالن نے ایک دن پہلے ریمز میں ہتھیار ڈالنے کے لیے دستاویز پر دستخط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسری تقریب

میں جرمن فیلڈ مارشل ولیم کیٹل ▲ نے دستاویز پر دستخط کیے جس میں کہا گیا کہ 9 مئی کی رات 12 بج کر 1 منٹ پر لڑائی بند ہو جائے گی۔ ♦ **1965:** اڑیسہ میں ایک ماہ میں آنے والے دو سائیکلون طوفانوں میں سے پہلے طوفان نے اس روز 35 ہزار لوگوں کی جان لے لی۔

9 مئی 1945: روس میں نازی جرمنی کو شکست دینے کی خوشی میں یوم فتح منایا گیا۔ پوری دنیا جسے دوسری عالمی جنگ کہہ رہی تھی اسے روس میں عظیم وطنی جنگ Great Patriotic War کہا جاتا تھا۔ اس روز جشن منا کر اُن 2 کروڑ روسیوں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا جنھوں نے اس جنگ میں اپنی جانیں دی تھیں۔ ♦ **1800:** غلاموں کی تجارت اور لوگوں کو غلام بنانے کے خلاف لڑنے والے رہنما جان براؤن، امریکی ریاست کنیکٹی کٹ کے شہر ٹورنگٹن میں پیدا ہوئے۔ اکتوبر 1859 میں انھوں نے غلاموں کو رہا کرانے کے لیے امریکی

اسلحہ خانے پر حملہ کیا تھا۔ اندر جا کر انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے 60 لوگوں کو قیدی بنا لیا لیکن آخر کار انھیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ برائن کے دس ساتھی جن میں ان کے دو بیٹے بھی شامل تھے اس دوران مارے گئے اور براؤن کو گرفتار کر لیا گیا۔ کامن ویلتھ آف ورجینیا نے انھیں غداری، قتل اور غلاموں کو بغاوت کے لیے بھڑکانے کا الزام لگایا اور 2 دسمبر 1859 کو انھیں پھانسی لگا دی۔

10 مئی 1994: جنوبی افریقہ میں انگریزوں کی نسل پرستی کے خلاف لڑنے والے سابق سیاسی قیدی ▼ نیلسن منڈیلا ملک کے صدر بن گئے۔ وہ جنوبی افریقہ کے پہلے آزاد اور غیر نسلی چناؤ میں جیتے تھے۔

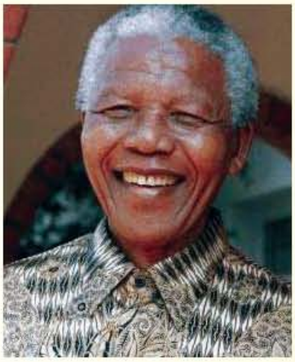

11 مئی 1998: ہندوستان نے راجستھان کے پوکھرن علاقے میں دوسری مرتبہ زمین کے اندر تین ایٹمی دھماکے کیے۔ اس سلسلے کے دو اور ایٹمی دھماکے دو روز بعد 13 مئی کو کیے گئے۔

12 مئی 1459: کو راجستھان کے شہر جودھ پور کی بنیاد رکھی گئی جو عام طور پر پورے سال دھوپ میں نہائے رہنے کی وجہ سے سن سٹی آف انڈیا کہلاتا ہے اور بیشتر مکانوں پر نیلے رنگ کی پتائی ہونے کی وجہ سے جسے بلیو سٹی ▼ بھی کہتے ہیں۔ ◆ 1937: انگلینڈ کے شاہ ایڈورڈ ہشتم viii نے جب اپنی محبوبہ کے لیے ہی تخت چھوڑنے کا اعلان کیا تو ویسٹ منسٹر ایبے لندن میں اس روز ان کے چھوٹے بھائی جارج ششم vi کی تاج پوشی ہوئی۔ جارج نے 1952 میں اپنی موت تک حکومت کی جس کے بعد اس کی بیٹی الزبتھ کو انگلینڈ کی ملکہ بنایا گیا۔ وہ ابھی تک انگلینڈ کی مہارانی ہیں۔ ◆ 1820: برطانوی نرس اور صحت عامہ کی کارکن فلورنس نائٹنگیل، اٹلی کے شہر فلورنس میں پیدا ہوئی۔ ترکی کے ساتھ لڑائی کے دوران وہ برطانوی فوجیوں کی مدد کے لیے اپنی مرضی سے میدان جنگ میں گئیں اور زخمی فوجیوں کی مدد کی۔ انھوں نے اسپتالوں کی صفائی ستھرائی کے لیے خاص طور پر کام کیا جس سے زخمی اور بیمار فوجیوں کی موت کی شرح میں کافی کمی آگئی۔ راتوں کو وہ زخمی فوجیوں کی تیمارداری کے لیے چراغ لے کر ان کے خیموں میں گھوما کرتی تھیں۔ یہ دیکھ کر انھیں لوگوں نے لیڈی وِد دی لیمپ Lady With The Lamp کا خطاب دے دیا تھا۔ جدید نرسنگ کے پیشہ ورانہ ضابطے مقرر کرنے والی وہ پہلی نرس تھیں۔ ◆ 1895: جے کرشنا مورتی ▼ کے نام سے مشہور مصنف اور فلسفی جدّو کرشنا مورتی کڈپا میں پیدا ہوئے۔ 1949 میں امریکہ میں وجے لکشمی پنڈت کو ہندوستانی سفیر کے طور پر قبول کیا گیا۔ وہ پہلی خاتون تھیں جو امریکہ میں کسی ملک کی سفیر بن کر آئیں۔

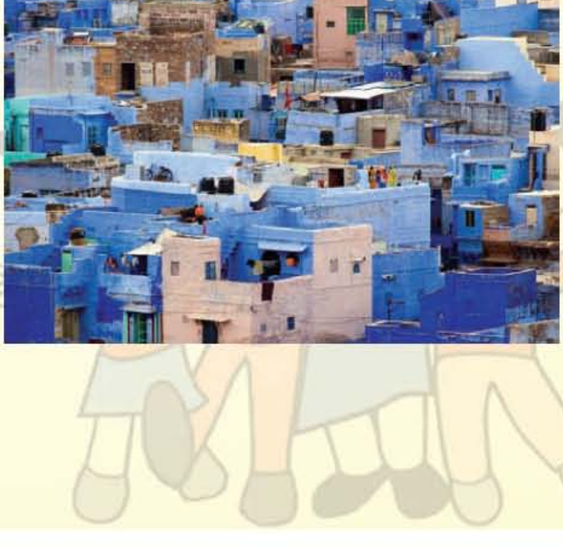

13 مئی 1952: آزاد ہندوستان کے پہلے عام انتخابات میں کامیابی کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ ◆ 1952: اسی روز پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا یعنی upper house کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ 1981: روم کے سینٹ پیٹرز چوک میں جب پوپ جان پال دوم کھلی گاڑی میں جا رہے تھے تو ان پر قریب سے دو مرتبہ گولی چلائی گئی جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ حملہ آور کو فوراً ہی گرفتار کر

لیا گیا۔ اس نے پہلے ایک ترک صحافی کو بھی قتل کیا تھا۔ بعد میں پوپ نے اس شخص کو بلا کر نجی ملاقات کی اور اسے سب کے سامنے معاف کر دیا۔ **1998:** امریکہ اور جاپان نے ایٹمی تجربہ کرنے ہندوستان کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگادیں۔

14 مئی 1796: انگلینڈ کے دیہات میں کام کرنے والے ڈاکٹر ایڈورڈ جینر نے اس روز چیچک کا ٹیکہ ایجاد کیا۔ انھوں نے کسی بیماری کو مختصر اور معمولی شکل میں کسی صحت مند انسان کے جسم میں داخل کر کے اس کے اندر بیماری سے لڑنے کی قوت پیدا کرنے کے اس عمل کو پہلی بار ٹیکہ کاری یا Vaccination کا نام دیا۔ صرف 18 مہینوں میں انگلینڈ کے 12 ہزار لوگوں کو چیچک کے ٹیکے لگائے گئے جس کے بعد اس مرض سے مرنے والوں کی تعداد میں دو تہائی کی کمی آگئی۔ ♦

1686: جرمن سائنس داں گیبریئل فارین ہائٹ Gabriel Fahrenheit ڈین زگ شہر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حرات ناپنے کے آلے 'تھرما میٹر' میں پارے Mercury کے استعمال کی شروعات کی جس کی وجہ سے تھرمامیٹر بہت درست ہوگئے اور درجہ حرارت کو پہلے سے زیادہ ٹھیک ناپنے لگے۔

15 مئی 1932: جاپان میں حکومت کا تختہ پلٹنے کی ناکام کوشش ہوئی جس میں جاپان کے وزیر اعظم انوکائی سویوشی مارے گئے۔

16 مئی 1975: سکم باقاعدہ ہندوستان کا حصہ بن گیا۔

17 مئی 1792: دو درجن امریکی بیوپاریوں اور شیئرز کا کاروبار کرنے والوں نے نیویارک اسٹاک ایکسچینج قائم کیا جو آج دنیا کا سب سے اہم اسٹاک ایکسچینج مانا جاتا ہے۔ جب یہ قائم ہوا تب موسم ٹھیک ہونے پر یہ ایک درخت کے نیچے کام کرتا تھا اور بارش ہونے پر ایکسچینج نزدیکی کافی ہاؤس میں چلا جاتا تھا۔

18 مئی 1975: ہندوستان پہلے ایٹمی دھماکے کے بعد دنیا کی چھٹی ایٹمی طاقت بن گیا۔ یہ دھماکہ راجستھان کے پوکھرن علاقے میں وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کے حکم سے کیا گیا تھا۔ ♦ **1804:** نپولین بونا پارٹ نے باقاعدہ تاج پوشی کی رسم میں پوپ پائس ہفتم vii کے ہاتھوں سے تاج جھپٹ لیا اور خود تاج پہن کر فرانس کا شہنشاہ بن گیا۔

1980: جنوب مغربی واشنگٹن اسٹیٹ میں آتش فشاں پہاڑ ▼ ماؤنٹ سینٹ ہیلنس پھٹ پڑا اور اس سے نکلنے والا لاوا آسمان میں 24 کلومیٹر (پندرہ میل) کی اونچائی تک اڑتا ہوا دیکھا گیا۔ غیر آباد علاقے میں واقع یہ جوالا مکھی 1857 سے خاموش تھا اور اس مرتبہ پھٹنے سے پہلے علاقے میں زلزلے آنے لگے تھے جس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ آتش فشاں پھٹنے ہی والا ہے۔ اس واقعے کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی۔

19 مئی 1890: ویت نامی رہنما ہوچی منھ ▼، جن کا اصل نام نگوئین تھاٹ تھانھ تھا، وسطی ویت نام کے گاؤں کم لیین میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر انھوں نے کمیونسٹ پارٹی قائم کی اور عوام کا دیا ہوا نام ہوچی منھ اختیار کر لیا جس کا مطلب ہے روشنی دینے والا۔ 1945 میں انھوں نے فرانس سے ویت نام کی آزادی کا اعلان کر دیا اور 1969 میں انتقال ہونے تک اس کے صدر رہے۔ ان کی زندگی میں فرانس اور امریکہ کی سازشوں سے ویت نام شمال اور جنوب کے دو حصوں میں تقسیم ہوا جس کی وجہ سے ویت نام کی پہلے فرانس سے اور اس کے بعد امریکہ سے طویل جنگ ہوئی جسے بیسویں صدی کی سب سے مہنگی واحد جنگ مانا جاتا ہے۔ امریکہ کو اس جنگ میں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ ان کی موت کے چھ سال بعد 29 اپریل 1975 کو آخری امریکی فوجی جنوبی ویت نام سے رخصت

ہوا اور ویت نام ایک بار پھر متحد ہو گیا۔ جنوبی ویت نام کی راجدھانی سائگون کا نام ہو چی منہ سٹی رکھ دیا گیا۔ 1925: سیاہ فام امریکی رہنما میلکم ایکس ▼ کی امریکی ریاست نبراسکا کے شہر اوماہا میں پیدائش

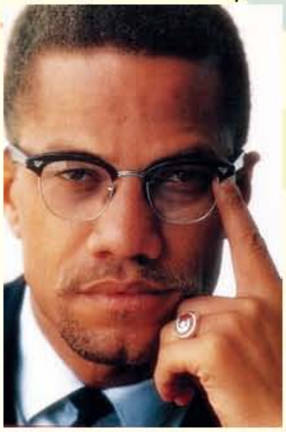

ہوئی۔ ان کا اصل نام میلکم لٹل تھا۔ شہری حقوق کے سلسلے میں اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے جب وہ جیل میں گئے تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور 1952 میں رہائی کے بعد میلکم ایکس کا نام اختیار کرلیا اور نیشن آف اسلام کے لیے کام کرنے لگے۔ بعد میں انھوں نے حج بھی کیا اور ایک روایت پرست مسلمان بن گئے۔ 21 فروری 1965 کو جب وہ ہارلم کے آڈوبن بال روم میں تقریر کر رہے تھے تو انھیں قتل کر دیا گیا۔ ♦ 1913: سابق صدر جمہوریہ نیلم سنجیوا ریڈی مدراس کے ایلور گاؤں میں پیدا ہوئے۔

20 مئی 1498: پرتگالی مہم جو واسکو ڈی گاما کلکتہ پہنچا۔ ♦ 1992: ہندوستان نے کسی کی مدد کے بغیر اپنا پہلا مصنوعی سیارہ یا سیٹیلائٹ خلا میں بھیجا۔ ♦ 1994: مس سشمتا سین مس یونیورس چنی گئیں۔ ♦ 1927: چارلس لنڈ برگ نے امریکہ سے پیرس کے درمیان تن تنہا ہوائی جہاز اڑانے کی 25 ہزار ڈالر کی شرط جیت لی اور راتوں رات عالمی ہیرو بن گیا۔ وہ امریکہ کے لانگ آئی لینڈ کی روزویلٹ فیلڈ سے صبح 7 بج کر 52 منٹ پر 'اسپرٹ آف سینٹ لوئی' نامی ہوائی جہاز سے روانہ ہوا اور 33 گھنٹے بعد پیرس میں لا بورگے کے مقام پر اترا۔ اس نے 3600 میل کا فضائی سفر اکیلے ہوائی جہاز چلا کر طے کیا۔ ♦ 1932: میں اسی روز امیلیا ائیر ہارٹ اکیلے اڑ کر اٹلانٹک پار کرنے والی خاتون بن گئیں۔ وہ نیو فاؤنڈ لینڈ کناڈا سے شام سات بجے روانہ ہوئیں اور 2026 میل کا سفر 13 گھنٹے میں طے کر کے آئرلینڈ میں لنڈن ڈیری کے نزدیک اتریں۔ پانچ سال بعد وہ اپنے دو انجن والے جہاز سے خط استوا Equator پر دنیا کا چکر لگانے کے لیے اپنے نیوی گیٹر، فریڈ نونن کے ساتھ روانہ ہوئیں اور غائب ہو گئیں۔ ♦ 1860: جدید صیہونیت Zionism کے بانی تھیوڈور ہرزل کا ہنگری کی راجدھانی بڈاپسٹ میں جنم ہوا۔ اس نے یہودیوں کے مختلف ملکوں اور تہذیبوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے مقابلے میں یہودیوں کا الگ ملک بنائے جانے کی وکالت کی۔

21 مئی 1991: سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی کو جنوبی ہندوستان کے سری پیرم بڈور میں سری لنکا کے تمل ٹائیگرز کی دہشت گرد تنظیم سے تعلق رکھنے والی ایک عورت نے اپنے جسم پر بم باندھ کر ایک چناؤ جلسے میں ہار پہنایا اور خود کو بم سے اڑا لیا۔ راجیو گاندھی کا جسم بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ 31 اکتوبر 1984 کو ان کی والدہ مسز اندرا گاندھی بھی شہید ہوئی تھیں، اور اسی روز راجیو گاندھی کو وزیر اعظم کے عہدے کا حلف دلا دیا گیا تھا۔ بعد میں انھوں نے چناؤ لڑا تو کانگریس نے زبردست تاریخی کامیابی حاصل کی۔ لیکن اگلے انتخاب میں ان کی پارٹی ہار گئی۔ 1991 میں جب وہ عام انتخابات میں اپنی پارٹی کو حکومت میں واپس لانے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے تبھی انھیں بھی شہید کر دیا گیا۔ شہادت کے بعد ان کی پارٹی حکومت میں واپس آ گئی۔

22 مئی 1972: امریکی صدر رچرڈ نکسن نے ماسکو کا دورہ کیا۔ روسی دورے پر آنے والے وہ پہلے امریکی صدر تھے۔ چار روز بعد انھوں نے اور سوویت یونین کے صدر لیونید بریژنیف نے ایٹمی ہتھیاروں کی موجودہ تعداد کو آگے نہ بڑھانے کے معاہدے پر دستخط کیے۔ ♦ 1859: مشہور کردار شرلاک ہومز کے خالق سر آرتھر کانن ڈائل ▼

اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈن برا میں پیدا ہوئے۔ وہ روحانیت میں بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ لیکن اصل شہرت انھیں اپنے لکھے ہوئے جاسوسی ناولوں سے ملی۔ ان انگریزی

ناولوں میں شرلاک ہومز کے نام سے جو کردار انھوں نے تخلیق کیا وہ اپنی مثال آپ تھا اور کئی لوگ اسے جیتا جاگتا کردار تسلیم کرنے لگے۔ کافی شہرت ملنے کے بعد ایک ناول میں اس کردار کی موت ہوگئی۔ اس پر پڑھنے والوں نے زبردست احتجاج کیا اور کانن ڈائل، شرلاک ہومز کو دوبارہ زندہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اردو میں ان کے بہت سے ناولوں کا ترجمہ تیرتھ رام فیروز پوری نے کیا تھا جس کی وجہ سے اردو میں بھی شرلاک ہومز کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ انگلینڈ کی حکومت نے کانن ڈائل کو سر کا خطاب دیا تھا۔

23 مئی 1568: ہالینڈ نے اسپین کی غلامی سے آزاد ہونے کا اعلان کردیا۔

24 مئی 1844: ٹیلی گراف کے موجد سیموئل مورس نے واشنگٹن ڈی سی میں کیپٹول سے بالٹی مور کو پہلا آفیشیل پیغام بھیجا۔ یہ انگریزی پیغام یوں تھا: What hath God wrought?

25 مئی 1803: امریکی مصنف اور فلسفی رالف والڈو ایمرسن، امریکی ریاست میساچیوٹس کے شہر بوسٹن میں پیدا ہوئے۔ نیچر، ایسیز، پوئمز، انگلش ٹریٹس، دی کنڈکٹ آف لائف اور سوسائٹی اینڈ سولی ٹیوڈ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

26 مئی 1878: عالمی شہرت یافتہ رقاصہ اساڈورا ڈنکن ▼، سان

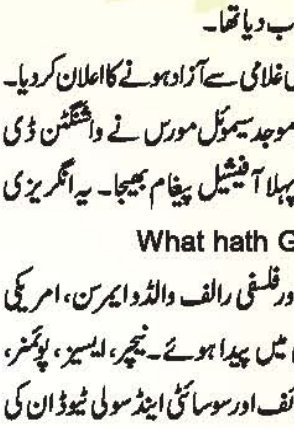

فرانسسکو میں پیدا ہوئی۔ اس نے رقص کے روایتی انداز کو پوری طرح بدل کر رکھ دیا تھا۔ ناچ کی ہر ادا ایک خیال یا پیغام کی ترجمانی کرتی تھی، ننگے پاؤں اور ڈھیلے ڈھالے گھٹنوں سے نیچے تک کے لبادے میں رقص کر کے اس نے روایتوں سے بغاوت کی تھی۔ اسے شہرت بھی بہت ملی اور ذاتی غم بھی بہت سہنے پڑے۔ اس کے دو بچوں کی موت پانی میں ڈوبنے سے ہوئی۔ شادی ناکام ہوگئی۔ 1927 میں اساڈورا اپنی کھلی کار میں جارہی تھی کہ اس کا بڑا سا اسکارف کار کے پہیے میں لپٹ گیا اور گلے میں پھنسے اسکارف نے اس کی جان لے لی۔

27 مئی 1964: ہندوستان کے سب سے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کا 74 برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

28 مئی 1961: برطانیہ کے ایک وکیل پیٹر بیرینسن نے پرتگال کے کچھ طالب علموں کی گرفتاری کے بعد ان کی رہائی کے لیے شروع کی گئی 'اپیل فار ایمنیسٹی' Appeal for Amnesty سے متاثر ہوکر اس روز ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے نام سے مشہور تنظیم کی بنیاد رکھی جو اپنے خیالات کی بنا پر قید کیے گئے لوگوں کی رہائی، لوگوں کو اذیت اور سزائے موت دینے کے خاتمے اور عورتوں کو انسانی حقوق دلانے کے لیے کام کرتی ہے۔ اس تنظیم کے ممبروں کی تعداد اس وقت دس لاکھ سے زیادہ ہے جو دنیا کے 150 ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔♦ **1963:** خلیج بنگال میں آنے والے ایک اور سائیکلون طوفان سے تقریباً 22 ہزار لوگوں کی موت ہوگئی۔

29 مئی 1453: ترکوں نے شہر قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے اسے دوبارہ استنبول کا نام دے دیا۔ اس کے ساتھ بازنطینی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور استنبول سلطنت عثمانیہ کی راج دھانی بن گیا۔♦ **1660:** کئی سال تک لارڈ پروٹیکٹر اولیور کرام ویل کی ماتحتی میں ایک کامن ویلتھ حکومت چلنے کے بعد انگلینڈ کی بادشاہت واپس آگئی اور چارلس دوم تخت پر بیٹھ گیا۔♦ **1906:** مشہور ناول نگار ٹیرنس ہین بری وہائٹ کی بمبئی میں پیدائش ہوئی۔ England Have My Bones ان کا مشہور ناول ہے۔

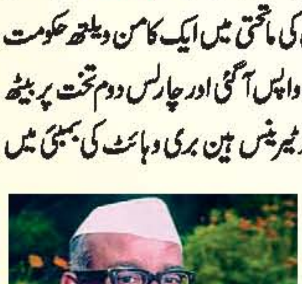

30 مئی 1962: احمد آباد گجرات کے ایک بس حادثے میں 69 لوگوں کی موت ہوگئی۔

31 مئی 1996: ملک کے چھٹے صدر جمہوریہ نیلم سنجیوا ریڈی ▲ کا انتقال ہوگیا جو 1977 سے 1982 تک اس عہدے پر رہ چکے تھے۔ ◘

گلیور
بالشتیوں کی دنیا میں

آخری قسط | جوناتھن سوئفٹ

'گلیور بالشتیوں کی دنیا میں' دراصل انگریزی زبان کے کلاسک Gulliver's Travels کا ایک حصہ ہے جسے آئرلینڈ کے عیسائی راہب اور مصنف جوناتھن سوئفٹ نے 1726 میں لکھا تھا۔ یہ انسانی فطرت پر طنز سے بھرپور کہانیوں کا مجموعہ تھا اور بچوں اور بڑوں میں اسے ایک جیسی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس پر کئی فلمیں بھی بن چکی ہیں۔ انگریزی ادب میں اس تخلیق کی بڑی اہمیت ہے۔

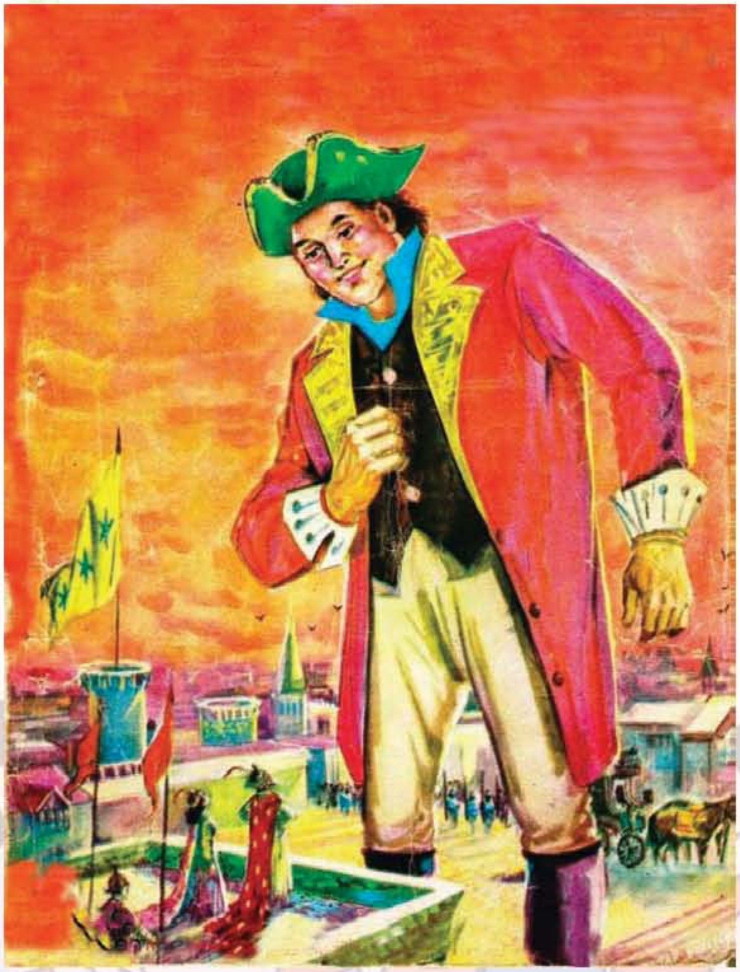

تم عقل مند ہو۔ ہم تمھاری قدر کرتے ہیں
گاؤں گاؤں میں تماشہ دکھا کر میں کمزور ہو گیا تھا
ملکہ معظمہ نے اپنے خاص بڑھئی کو بلایا
ان کے لیے ایک آرام دہ ڈبہ تیار کرو
جو رانی صاحبہ کا حکم
بڑھئی نے جو ڈبہ تیار کیا وہ کہنے کو تو ڈبہ تھا مگر گلیور کے لیے وہ ایک آرام دہ شاندار کمرہ تھا۔
گلم روز رات کو اس ڈبے کے چھت نما ڈھکن کو بند کر کے تالہ لگا دیتی اور دن میں کھول دیتی تھی۔
ایک دن...
اوہ، بڑے آئینے میں ملکہ معظمہ کیسی لگ رہی ہیں، اور میں... ہی... ہی...
بہت ہنسی آ رہی ہے گلیور!

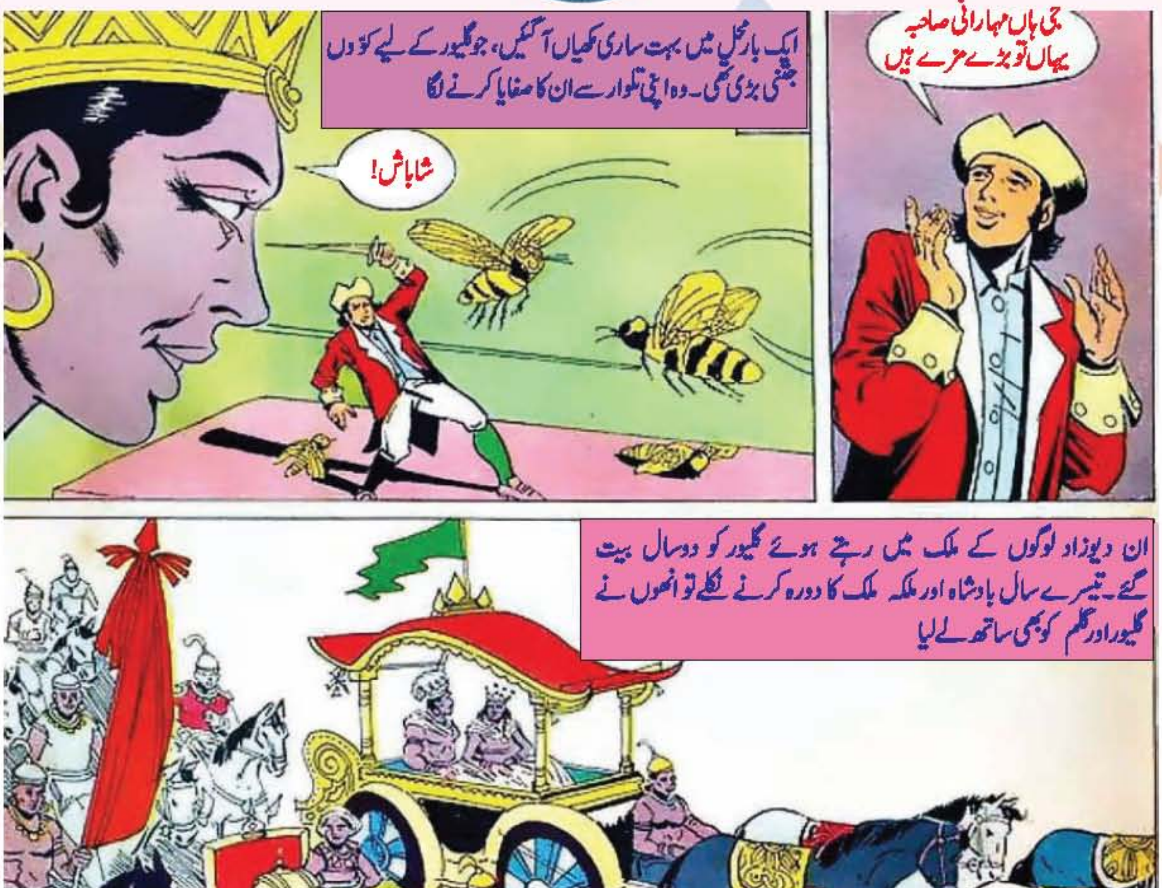
جی ہاں مہارانی صاحبہ
یہاں تو بڑے مزے ہیں
ایک بار محل میں بہت ساری مکھیاں آگئیں، جو گلیور کے لیے کوّوں جتنی بڑی تھی۔ وہ اپنی تلوار سے ان کا صفایا کرنے لگا
شاباش!
ان دیوزاد لوگوں کے ملک میں رہتے ہوئے گلیور کو دو سال بیت گئے۔ تیسرے سال بادشاہ اور ملکہ ملک کا دورہ کرنے نکلے تو انھوں نے گلیور اور گلم کو بھی ساتھ لے لیا
راستے میں سمندر دیکھ کر گلیور کا دل مچل گیا۔
کاش! میں اس وقت اپنے وطن کے کسی جہاز پر سوار ہوتا
یہاں سے بھاگنے کی کوئی ترکیب سوچنی چاہیے

گلم، مجھے ملکہ کے پاس لے چلو
اچھا!
گلم، گلیور کا پنجرا اٹھا کر ملکہ کے پاس لے گئی
ملکہ صاحبہ، میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔
یہ تو برا ہوا
اگر روز سمندر کے کنارے کی ہوا ملتی رہے تو شاید ٹھیک ہو جاؤں
ٹھیک ہے۔ گلم تم اسے سمندر کے کنارے لے جا
گلم رونے لگی...
گلیور تم بیمار ہو گئے مجھے دکھ ہے
رو مت، میں ٹھیک ہو جاؤں گا
شام کو محل کا خادم گلیور کا ڈبہ لٹکائے سمندر کے کنارے پہنچا
ڈبے کو سمندر کے کنارے رکھ کر خادم آس پاس گھومنے لگا
تبھی ایک بہت بڑی چیل نے جھپٹا مارا اور ڈبے کو چونچ سے پکڑ کر اڑ گئی

ڈبّے کے اندر گلیور کو ایسا لگا جیسے طوفان آ گیا ہو۔ اس نے نوکر کو آواز دی مگر اب سننے والا کون تھا
تبھی سمندر کے اوپر سے اڑتی ہوئی چیل پر اس سے بھی بڑے ایک باز نے حملہ کر دیا اور اس لڑائی میں ڈبّہ نیچے سمندر میں جا گرا
ڈبّہ نہ تو ٹوٹا اور نہ اس میں پانی داخل ہوا۔ وہ سمندر پر ہچکولوں کے ساتھ تیرتا رہا۔
اچانک ایک جہاز کے مسافروں نے اسے دیکھ لیا۔
اس بڑے صندوق میں یقیناً کوئی خزانہ ہوگا
اسے رسّا پھینک کر کھینچ لیتے ہیں
رسّا پھینک کر صندوق اوپر کھینچ لیا گیا
مگر اس کے لیے سب کو کافی زور لگانا پڑا
اتفاق سے یہ انگلینڈ کا وہی جہاز تھا جسے گلیور نے چھوڑا تھا
ارے، گلیور تم؟
بڑے قسمت والے ہو میاں!
سب پرانے ساتھی گلیور سے گلے ملنے لگے! ختم شد

□ احمد امام

پچھلے مہینے سے پورے ملک میں عام چناؤ چل رہے ہیں اور اس مہینے مکمل بھی ہو جائیں گے۔ چناؤ کی یہ گہما گہمی دیکھ کر جنگل میں رہنے والوں نے سوچا ہم کیوں پیچھے رہیں۔ جب شہروں قصبوں اور گاؤں میں جمہوریت چل رہی ہے تو جنگل میں کیوں نہیں چل سکتی۔ خود شیر بھی کسی چناؤ کے بغیر لگاتار جنگل کا راجہ بنے رہنے سے اکتا گیا تھا۔ ایک دن ٹی وی پر خبریں دیکھتے ہی اس نے طے کر لیا کہ اب جنگل میں بھی چناؤ ہوں گے اور اگلی صبح ہی اس نے الیکشن ڈکلیئر کر دیے۔ بس پھر کیا تھا۔ پورے جنگل میں الیکشن کی دھوم مچ گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ اس نظم میں پڑھیے۔ مدیر اعزازی

غضب کی تھی ہلچل غضب کا ہجوم
مچی تھی الیکشن کی جنگل میں دھوم
رکھے راج گدی پہ اپنی نظر
تھا میدان میں ایک شیرِ ببر
الیکشن کا بھالو کو بھی تھا بخار
لگائے تھے ہاتھی نے بھی اشتہار
تھی اک پارٹی گیدڑوں کی الگ
جماعت تھی اک بندروں کی الگ

الیکشن میں الو بھی تھے حصہ دار
تھی ان کی تمنا ملے اقتدار
گدھے بھی نہیں تھے الیکشن سے دور
وہ تھے کرسیوں کی محبت میں چور

میٹنگیں ہوئیں خوب جلسے ہوئے
غریبوں کے آپس میں جھگڑے ہوئے
الیکشن بڑی مشکلوں سے ہوا
قریب آ گئے کچھ ہوئے کچھ جدا
بالآخر نتیجے کی آئی گھڑی
تھی نعرے لگانے کو جنتا کھڑی
ہوا جس کی ہرگز نہ امید تھی
حکومت گدھوں کی بالآخر بنی

◆ احمد امام بالاپوری چوڑی محل بالاپور ضلع اکولہ، مہاراشٹر

□رجب علی بیگ سرور

2

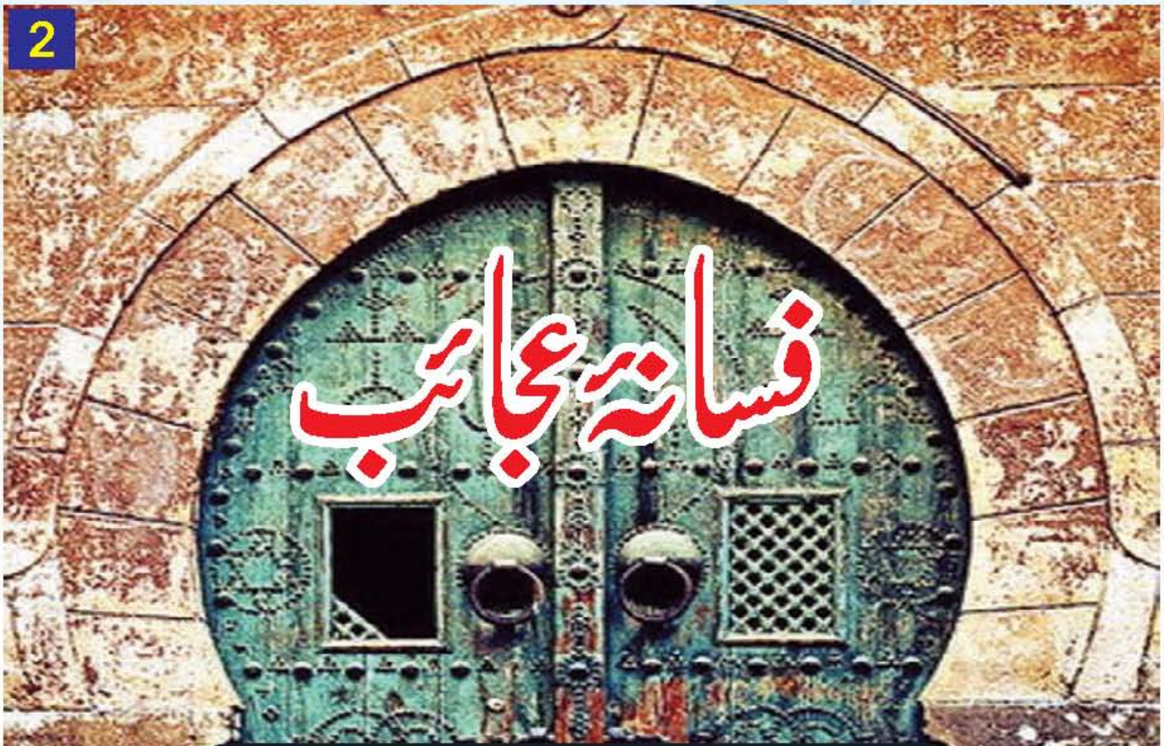

فسانۂ عجائب

'فسانۂ عجائب' اردو نثر کی بہت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ ایک خیالی داستان ہے جس میں قصے سے قصہ نکلتا ہے اور عقل کو حیران کر دینے والے واقعات بیان ہوتے ہیں جنھیں پڑھتے وقت لوگ ان میں کھو جایا کرتے تھے۔ مرزا رجب علی بیگ سرور نے اسے بڑی منجھی ہوئی نثر میں لکھا تھا اور اس میں قافیوں والی زبان بھی استعمال کی تھی۔ مثلاً، ''...سارے شہر میں خوب دھوم دھام ہوئی اور ساری رعایا شاد کام ہوئی...'' یہ زبان پر لطف تو ہے مگر کہیں کہیں مرزا نے بلا وجہ بھی قافیے اور ردیف جڑ دیے تھے جس سے پڑھنے والے کا ذہن بھٹکتا تھا۔ اردو کے مشہور ادیب جناب نورالحسن نقوی نے بڑوں کے لیے لکھی ہوئی اس کتاب میں سے مشکل الفاظ اور قافیے وغیرہ نکال کر اتنی سادہ زبان میں کتاب کا مسودہ تیار کیا کہ وہ آج کے پڑھنے والوں خاص طور سے بچوں کی سمجھ میں آ جائے۔ اگر آپ کو اچھی اردو لکھنے کا شوق ہے تو اس کتاب کو ضرور پڑھیے جسے ہم آپ کے لیے قسط وار پیش کر رہے ہیں۔ اس داستان کو جو اپنے اندر ناول کی خوبیاں لیے ہوئے ہے قومی اردو کونسل نے 1982 میں بچوں کے لیے چھاپا تھا۔

'قصہ جان عالم اور انجمن آرا کا' رجب علی بیگ کی لکھی ہوئی وہ داستان ہے جس کا اصل نام 'فسانۂ عجائب' ہے۔داستان میں تین باتیں خاص ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں بات سے بات نکلتی ہے اور قصے سے قصہ۔ دوسری یہ کہ ان میں اصلی دنیا کی بجائے خیالی دنیا زیادہ ہوتی جس میں دیوزاد، پریاں، جن ، بھوت، جادوگر، شہزادے ، شہزادیاں، اور ایسے واقعات و مقامات ہوتے ہیں جنھیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان میں ہمیشہ سچ کی جیت اور جھوٹ کی ہار ہوتی ۔ داستان کا ہیرو خواہ کیسی ہی مصیبت میں کیوں نہ پھنس جائے بالآخر وہ اس سے باہر نکل آتا ہے۔ اس داستان میں شہزادہ جان عالم اور ملک زر نگا رکی شہزادی انجمن آرا کی محبت کا قصہ بنیادی قصہ ہے جس میں سے کئی اور دل چسپ قصے اور پھر ان میں‌سے بھی کئی قصے پھوٹ نکلتے ہیں۔ جس زمانے میں یہ داستانیں‌لکھی گئیں وہ فرصت کا زمانہ تھا اور لوگوں کے پاس انہیں پڑھنے سننے کے لیے خوب وقت ہوتا تھا۔

اب تک آپ نے پڑھا : کسی زمانے میں، ملک ختن میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تھا فیروز بخت۔ شہزادہ جان عالم اس کی اکلوتی اولاد تھا۔ ایک دن شہزادے نے ایک طوطا بازر سے خریدا جو بولتا تھا۔ یہ طوطا بڑا عقل مند اور عالم تھا۔ وہ دنیا بھر کی باتیں شہزادے کو بتایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے ملک زرنگار کی ملکہ انجمن آرا کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔نو جوان شہزادہ اس بیان سے اتنا متاثر ہوا کہ بنا دیکھے ہی ملکہ انجمن آرا سے محبت کرنے لگا اور اس کی تلاش میں نکل پڑا۔ راستے میں اسے طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ایک مقام پر وہ اپنی غلطی سے ایک جادوگرنی کے جال میں پھنس گیا جو شہپال جادوگر کی بیٹی تھی اسے اپنے محل میں لے گئی اور کہنے لگی کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ لیکن شہزادہ جان عالم نے انکار کردیا اور اس کی طلسمی قید سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا اب آگے پڑھیے :

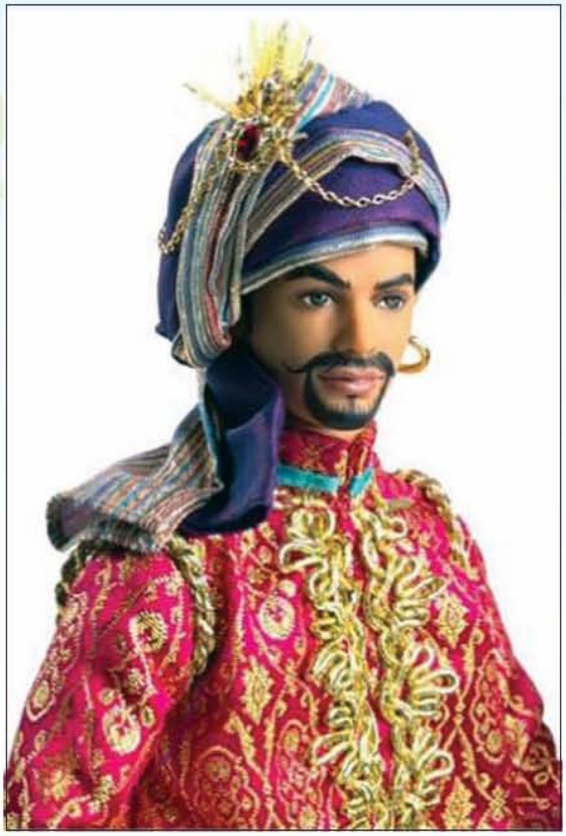

غرض کسی طرح صبح ہوئی۔ ناشتے کے بعد وہ جادوگرنی جان عالم سے بولی۔ ''میرا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت سے پہر دن رہے تک شہپال کے دربار میں حاضر رہتی ہوں۔ تیری اجازت پاؤں تو جاؤں۔'' جان عالم یہ سن کے دل دل میں بہت خوش ہوا کہ خس کم جہاں پاک۔ ذرا دیر کو تو تیری منحوس صورت دیکھنے سے بچوں گا۔ مگر اسے بے وقوف بنانے کو بولا ''تیری جدائی پل بھر کو گوارا نہیں۔ خیر مجبوری ہے تو جا مگر جتنی جلدی بن پڑے لوٹ آئیو۔''

جان عالم کی زبان سے یہ باتیں سن کر جادوگرنی خوش ہوگئی۔ اس کے جانے کے بعد جان عالم اپنی قسمت کو روتا رہا اور اپنے کیے پر کڑھتا رہا کہ میں نے کیوں نادانی سے کام لیا اور کیوں حوض میں کودا۔ یہ نہ جانا کہ یہ سب جادو ہے۔ چھ گھڑی دن رہے وہ مکار عورت لوٹ آئی اسے دیکھ کے شہزادہ کو رونا آیا مگر دکھانے کو ہنس دیا۔

دو مہینے اسی طرح بیت گئے۔ اس قید میں جان عالم کا یہ حال ہوا کہ سوکھ کے کانٹا ہوگیا۔ ایک دن وہ جادوگرنی رخصت ہوتے وقت جان سے بولی۔ ”تیری تنہائی کا مجھے بڑا خیال رہتا ہے بلکہ بڑا ملال رہتا ہے۔ تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہوگا۔ باگ کاٹے کھاتا ہوگا۔ کیا کروں، لاچار ہوں۔ ایسا کوئی نہیں جسے تیرا جی بہلانے کو چھوڑ جاؤں۔ یہ خواصیں ہیں مگر انھیں اٹھنے بیٹھنے بولنے چالنے کی تمیز نہیں۔ ان کی موجودگی سے تو اور گھبرائے گا۔

شہزادے نے کہا ”ہم کیا گھبرائیں گے تنہا پیدا ہوئے، تمام عمر اکیلے رہے، ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں، لیکن ہر دم یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ ہمیں تنہا پا کے کوئی مار ڈالے تو کیا ہو۔ ایسے مارے گئے کہ کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔ جب تک تجھے خبر ہو ہمارا تو کام تمام ہو چکے گا۔“

وہ بولی ”یہ کیا بات تیرے خیال میں آئی، جانتا نہیں یہ طلسم کا مکان ہے یہاں کب کسی کے گزر کا امکان ہے۔“

شہزادہ بولا ”واہ! اگر کوئی جادوگر ہی مار ڈالنے پر کمر کس لے تو بھلا اسے کون روکے گا؟“

یہ سن کر تو اسے برے برے خیال آئے، جی جان سے جان عالم پر فریفتہ تھی۔ کھٹکا ہوا کہیں ایسا نہ ہو میرے پیچھے کوئی جادوگرنی ادھر سے گزرے اور شہزادے پہ عاشق ہو جائے اور اسے اڑا لے جائے پھر اپنی قید میں رکھے اور زندگی بھر نہ چھوڑے۔ وہ دیوانی محبت میں اندھی ہوگئی۔ یہ بھی نہ سوچا کیا انجام ہوگا، جھٹ صندوق کھول وہ تعویذ نکالا جسے نقش سلیمانی کہتے ہیں اور شہزادے کے بازو پر باندھ کے بولی ”لے اب نہ جادو کا اثر ہو، نہ دیو کا گزر ہو اور نہ پری سے ضرر ہو، دل کا کھٹکا مٹا، مزے اڑا۔“

یہ کہہ کے وہ ساحرہ تو روز کی طرح شہپال کے دربار کو روانہ ہوئی اور جان عالم انجمن آرا کے خیالوں میں کھو گیا۔ روز کا یہی طریقہ تھا۔ ادھر جان عالم کے دل میں نیا خیال آیا کہ وہ اس نقش سلیمانی کی بہت تعریفیں کرتی تھی، کھول کے دیکھو، ممکن ہے اس میں رہائی کی کوئی تدبیر لکھی ہو۔

غرض جان عالم نے وہ نقش کھول کے دیکھا۔ بہت سے خانے بنے تھے۔ ان میں اسمائے الٰہی لکھے ہوئے تھے اور ان کی تاثیر کا بھی ذکر تھا، ایک خانے پر نظر پڑی۔ لکھا تھا ”کوئی شخص کسی جادوگر کی قید میں پھنسا ہو تو یہ اسم پڑھے نجات پائے گا یا طلسم کے مکان میں گھرا ہوا ہو، اسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے اور جو کوئی جادو کرتا ہو، اس پر دم کر کے پھونک دے، اسی دم اس کی برکت جادوگر کو پھونک دے۔“

نقش میں رہائی کی تدبیر نظر آئی تو شہزادے کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا، جلدی جلدی وہ اسم یاد کیا اور نقش کو تہہ کر کے پھر اسی طرح بازو پر باندھ دیا۔ اتنی دیر میں جادوگرنی بھی آ موجود ہوئی۔ جان عالم کے تیور بدلے دیکھے پوچھا ”آج کیسا مزاج ہے؟“

شہزادے نے جواب دیا ”خدا کا شکر! بہت اچھا ہے۔ میں بہت دیر سے تیرا انتظار کر رہا تھا، لے تجھے شیطان کے حوالے کیا، ہمارا اللہ نگہبان ہے۔“

جادوگرنی نے یہ الفاظ سنے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، سمجھ گئی کہ آج کھیل بگڑ گیا اور جان عالم ہاتھ سے نکلا، جادو کے زور سے روکنے کی کوشش کی، اثر نہ ہوا۔ جھنجھلا کے ناریل زمین پہ مارا۔ وہ پھٹا تو ہزاروں اژدہے منہ پھاڑے آگ اگلتے اس میں سے نکلے۔ شہزادے نے کچھ پڑھا، وہ سب پانی ہو کے بہہ گئے۔ اب تو وہ خوشامدوں پر اتر آئی۔ پاؤں پر سر دھرنے لگی۔ اس کی مدد کو جو اور جادوگرنیاں آ پہنچی تھیں وہ بھی شہزادے کو سمجھانے لگیں کہ جو جی جان سے فدا ہو اس کا ساتھ چھوڑنا اور اس سے دغا کرنا مناسب نہیں۔

شہزادے نے کہا ”ذرا گریبان میں منہ ڈالو ہم بھی تو کسی کی محبت میں عیش و آرام چھوڑ کے مصیبت جھیلنے کو نکلے تھے، تم نے ہمیں زبردستی قید کیا اور اس تک نہ جانے دیا جس کے لیے جی بے چین ہے۔ یہ احسان کچھ کم ہے کہ ہم نے تمہارا طلسم درہم برہم نہ کیا؟“

وہ سمجھ گئی دام سے چھوٹا پنچھی اب رکنے والا نہیں۔ وہ سر پیٹتی رہ گئی۔ یہ اسم الٰہی کی برکت سے رہا ہوا۔ سچ ہے اللہ کے نام میں بڑی طاقت ہے۔

شہزادے نے قید سے چھوٹ کر اپنی راہ لی۔ چلتے چلتے اس حوض پہ پہنچا جس میں ڈبکی لگا کے اس آفت میں پھنسا تھا۔ وہاں اپنے گھوڑے کی لاش پڑی دیکھی۔ وہ بے چارہ ایسا وفادار تھا کہ پتھر سے سر مار کے مر گیا تھا۔ ایک تو وفادار ساتھی کے بچھڑنے کا غم دوسرے یہ خیال کہ اب پیدل چلنے کی مصیبت اور پڑی۔ جان عالم کو جتنا بھی دکھ ہوتا کم تھا۔ مگر ہمت نہ ہاری اور پیدل ہی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

ملکہ مہرنگار سے ملاقات

شہزادہ سفر کرتے کرتے ایک ایسے جنگل میں جا پہنچا جس کی بہار چمن کو شرمندہ کرتی تھیں، درخت ہرے بھرے میووں سے لدے تھے۔ پودوں پر رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ روشوں کے دونوں طرف پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھکے ہارے مسافر کو آرام پہنچاتی تھیں۔ جی میں یہ بات آئی کہ آج کی رات یہیں بسر کرنی چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ خدا کیا کرتا ہے۔

ایک طرف زمین ہموار تھی اور درخت گھنے تھے۔ پاس ہی صاف شفاف پانی کا چشمہ بہتا تھا، یہ اس کے کنارے جا بیٹھا۔ جنگل کی کیفیت جی کو بے چین کرنے والی تھی۔ درختوں پر ند چہچہاتے تھے۔ جانور خوشی سے کلیلیں کرتے تھے۔ آسمان پر بادل تیرتے تھے۔ کہیں سرخ کہیں سفید، کہیں اودے، بادل گرجتے تھے۔ بجلی چمکتی تھی۔ سامنے مور ناچ رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ آسمان میں شفق پھوٹی تھی۔ رنگ برنگی دھنک نے منظر کو اور دل کش بنا دیا تھا۔ اس وقت جان عالم کو انجمن آرا کی یاد آ گئی۔

جان عالم اپنے خیالوں میں گم تھا کہ سامنے سے عورتوں کا ایک غول آتا دکھائی دیا۔ یہ دھوکا کھا چکا تھا سنبھل کر بیٹھ گیا اور کچھ پڑھنے لگا۔ مثال مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ جب وہ نزدیک آئیں تو غور سے دیکھا۔ کوئی چار پانچ سو لڑکیاں تھیں، سب کی سب پری زاد۔ ایک سے ایک شوخ طرار، اچھلتی کودتی چلی آتی تھیں، بیچ میں ہوادار پر ایک حسینہ سوار تھی۔ سر پر سنہری تاج تھا اور بدن میں بھڑکیلا لباس تھا۔ چقماقی بندوق پاس دھری تھی، صاف ظاہر ہے شکار کھیلتی چلی آتی ہے۔

جو لڑکیاں آگے آگے چلی آتی تھیں، ان کی جان عالم پر نگاہ

پڑی۔ سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئیں کچھ سکتے کے عالم میں سہم کر جھجک گئیں، کچھ بولیں ''ان درختوں سے چاند نے کھیت کیا ہے'' کچھ بولیں ''نہیں ری سورج چھپتا ہے۔'' کسی نے کہا ''غور سے دیکھ ماہ ہے۔'' ایک جھانک کر بولی ''واللہ ہے'' ایک نے کہا ''چاند ہے'' تو دوسری نے کہا ''تارا ہے'' کوئی بولی ''پری زاد ہے'' کسی نے کہا ''خدا جانے قدرت کا کیا راز ہے۔''

ملکہ نے لڑکیوں کی کھسر پسر سنی تو بولی ''خیر ہے؟''

خواصوں نے ہاتھ جوڑ کی عرض کیا ''قربان جائیں، جان کی امان پائیں تو زبان پر لائیں، حضور کی سواری ہمیشہ ادھر سے جاتی ہے مگر آج یہاں عجب تماشہ ہے، درختوں میں ایک چاند سی شکل نظر آتی ہے۔''

ملکہ نے حیرت سے پوچھا ''کہاں؟''

ایک نے عرض کی ''وہ حضور کے سامنے''

جیسے ہی ملکہ کی نظر جان عالم کے چہرے پر پڑی ہوش جاتے رہے، ایسا حسین پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ملکہ تھرتھرا کر ہوادار پر غش کھا کر گری۔ خواصوں نے چہرے پر گلاب اور کیوڑہ چھڑکا۔ کوئی نادعلی پڑھنے لگی، کوئی سورہ یوسف دم کرنے لگی۔ کسی نے بازو پر رومال باندھا۔ کوئی تلوے سہلانے لگی، کوئی مٹی پر عطر چھڑک کر سنگھانے لگی۔ کوئی ہاتھ منہ کیوڑے سے دھوتی تھی، کوئی صدقے ہو ہو کے روتی تھی۔ کسی نے کہا ''بری روح کا اثر ہے'' کسی نے کہا ''یہ سب عشق کا کرشمہ ہے۔''

بڑی دیر میں شہزادی کو ہوش آیا۔ خواصوں میں صلاح ہوئی کہ اب ادھر سے سواری پھیرو اور ملکہ کو گھیرے میں لے لو۔ ملکہ بولی ''کیا تم سب دیوانی ہو، یہ کوئی مسافر بے چارہ غربت کا مارا ہے، تھک کر یہاں بیٹھ رہا ہے، اس سے کیا ڈرنا چلو اسے نزدیک سے دیکھیں۔''

خواصیں بے چاری کیا کرتیں، حکم کے آگے لاچار تھیں۔ آگے بڑھیں مگر جھجکتی تھیں اور ایک دوسرے کا منہ تکتی تھیں، جوں جوں سواری آگے بڑھتی تھی ملکہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی تھی۔

یہ ملکہ مہر نگار تھی اور اس کے حسن کا دور دور تک جواب نہ تھا۔ جان عالم نے ملکہ کو دیکھا تو اس کی حالت بھی غیر ہوئی مگر ضبط سے کام لیا اور

جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ذرا بھی ہلا جلا نہیں۔

ملکہ کا اشارہ پا کر خواصیں آگے بڑھیں، پوچھا ''کیوں جی میاں مسافر، تمہارا کدھر سے آنا ہوا اور کیا مصیبت پڑی ہے جو اکیلے اس جنگل میں وارد ہوئے ہو؟''

شہزادے نے مسکرا کر کہا ''مصیبت تجھ پر پڑی ہوگی۔ تیری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مصیبت کے مارے آتے ہیں، تم سب بتاؤ کہ تم پر کیا کمبختی آئی کہ چڑیلوں کی طرح شام کو جنگل میں منڈلاتی پھرتی ہو۔''

ملکہ یہ جواب سن کر پھڑک گئی، خود بولی ''واہ صاحب واہ، تم تو بڑے گرم مزاج ہو، حال پوچھنے پر اتنے خفا ہوئے کہ ایسی سخت بات کہی اور سب کو چڑیلیں ٹھہرایا۔''

جان عالم نے جواب دیا ''ہمارا یہ طریقہ نہیں کہ اجنبی لوگوں سے یوں بے تکلف بات کریں۔''

ملکہ پھر بولی ''حضور! میں تو آپ سے صرف یہ پوچھتی ہوں کہ

آپ کا کیا نام ہے اور کس طرف سے ادھر آنا ہوا؟"

شہزادہ بولا "حضور تو آپ ہیں کہ جیتے جی چار کے کندھے پر چڑھی ہیں، ہم غریبوں کا کیا ہے؟"

خواصوں نے ادب سے عرض کیا کہ "سرکار اس اجنبی مرد کے منہ نہ لگیں، بڑا منہ پھٹ آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

ملکہ نے کہا "تم سب چپ رہو، خوامخواہ بیچ میں دخل نہ دو، بگڑا تو پتہ نہیں کیا تمہاری درگت بنائے۔" یہ سن کر وہ سب الگ ہٹ گئیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگیں "خدا خیر کرے، عجب بے ڈھب آدمی سے پالا پڑا ہے۔"

ملکہ پھر شہزادہ سے مخاطب ہوئی "اے صاحب، کچھ منہ سے بولو، سر سے کھیلو۔"

جان عالم نے جواب دیا "ذرا دیر کو اپنی بادشاہی بھولو اور ہوا کے گھوڑے سے اتر کے ہم فقیروں کے پاس بیٹھو، طبیعت حاضر ہوگی تو ہم بھی کچھ بولیں گے۔"

ملکہ بولی "تم بھی خوب چیز ہو، حال فقیروں کا، دماغ امیروں کے، باتیں کڑوی کسیلی، خیر، تمہاری خوشی اسی میں ہے تو ہم ہوادار سے اترتے ہیں۔" یہ کہہ کر اتری اور جان عالم کے برابر بیٹھ گئی۔

خواصوں نے جو یہ دیکھا تو دانتوں میں انگلیاں دبالیں۔ سب کو حیرت کہ یہ کیا ہوگیا ہر ایک بولی "بی بی! یہ انسان ہے یا جادوگر، کیسی بد زبانی کی پھر بھی پری ملکہ کو شیشے میں اتار لیا۔ بیٹھے بٹھائے میدان مار لیا۔"

جب ملکہ ہوادار سے اتر کے شہزادے کے پاس بیٹھی تو ذرا دیر تو وہ چپ رہا پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "صاحب! ہمارا حال جان کے کیا کروگی، مختصر یہ ہے کہ بے یار و مددگار ہیں۔ مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ گھر سے دور ہیں اور آرام و آسائش سے محروم، پیروں میں چلنے کی طاقت نہیں مگر منزل کی تلاش میں پریشان ہیں۔

ظاہر میں گرچہ بیٹھا لوگوں کے درمیاں ہو
پر یہ خبر نہیں ہے میں کون ہوں کہاں ہوں
اے ساکنانِ دنیا! آرام دو گے اک شب
بچھڑا ہوں دوستوں سے، گم کردہ کارواں ہوں
نام و نشاں نے یارب رسوا کیا ہے مجھ کو
جی چاہتا ہے بچ ہو بے نام و بے نشاں ہوں

یہ اشعار پڑھ کے وہ تو چپ ہو رہا، ملکہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو کسی ملک کا شہزادہ ہے مگر کسی کے عشق میں دیوانہ ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بات ہے اس کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ سوچا کسی تدبیر سے اسے گھر لے چلو، ایک دن سارا حال معلوم ہو جائے گا، کہاں تک چھپائے گا، بڑی خوشامد سے بولی "اے عزیز! یہ علاقہ ہماری سلطنت میں شامل ہے، تم زمانے کی گردش سے مسافر بن کے یہاں آنکلے ہو، تمہاری مہمانی ہم پر فرض ہے، یہاں تک آگئے ہو تو دو چار قدم اور سہی، غریب خانہ قریب ہے آج کی رات وہاں آرام کرو، صبح تم کو اختیار ہے، چاہے رہو چاہے سفر پر روانہ ہو۔"

جان عالم نے تیوری چڑھا کے کہا "دیکھیے آپ نے پھر اپنی سلطنت کا رعب ڈالا، مانا تخت و تاج کی مالک ہیں، یہ ملک آپ کا ہے، ہم غریب فقیر پردیسی ہیں مگر ایسے بھوکے بھی نہیں کہ آپ کے کھانے کے محتاج ہوں۔ اپنی طبیعت اپنے اختیار میں نہیں، کسی کی مہمان داری اور تواضع گوارہ نہیں۔"

ملکہ کو جان عالم کے انکار سے تکلیف پہنچی، کہنے لگی "کسی کی دعوت نامنظور کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے، ہم آپ کو مجبور تو کر نہیں سکتے۔"

جان عالم نے سوچا کسی کا دل توڑنا اچھی بات نہیں۔ پھر یہ کہ گھر سے نکلے مدتیں ہوگئیں، آدمی کی صحبت میسر نہ آئی، یہ بھی تو شہزادی ہے

، ذرا دیر اس سے ہنس بول کے اپنا غم غلط کرو۔ اٹھا اور ملکہ کے ساتھ ہولیا۔ سارے راستے دل چسپ گفتگو کرتا رہا۔ ملکہ پہلے ہی فریفتہ ہو چکی تھی، شہزادے کی گفتگو نے اور بھی دل موہ لیا مگر دل ہی دل میں افسوس کرتی تھی کہ ایسے میں جی اٹکا ہے جو کسی اور پر فدا ہے، ڈرتی تھی کہ جو کچھ ہوا اس کا انجام اچھا ہوتا نظر نہیں آتا۔

دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہنستے بولتے باغ کے دروازے پر آپہنچے، دروازہ کھلا، دونوں اندر آئے۔ باغ ایسا کہ جس کی تعریف نہیں ہوسکتی، قلم حیران ہے، جس ملک کا جنگل چمن سے بہتر ہو، وہاں کے باغ کا کیا کہنا، دور تک پھیلا ہوا احاطہ، چاروں کونوں پر چار بنگلے، ہر طرف نرم نرم سبزے کا قالین بچھا، بیچ بیچ میں طرح طرح کے پھولوں کی کیاریاں، جگہ جگہ مہندی کی بہار، گل عباسی سے خدا کی شان نظر آتی تھی، نرگس کے پھول ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے کسی کے انتظار میں ہوں، گل شبو سے بھی مہک آتی تھی، میوہ دار درخت الگ بہار دکھاتے تھے، پھلوں کے بوجھ سے ٹہنیاں زمین چوم رہی تھیں۔ روشیں ہموار اور خوش نما۔ ان کے دونوں طرف صاف شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ بیلا، چنبیلی، موتیا، موگرا، بن بان، جوہی، کیتکی، کیوڑا، نسرین اور نسترن اپنی اپنی خوشبو اور رنگ روپ سے سیر کرنے والے کو مست کرتے تھے۔ فاختائیں اور قمریاں شاخوں پر جھولتی اور چہچہاتی تھیں، مور ناچ ناچ کے دعوت نظارہ دیتے تھے، قازیں نہروں میں تیرتی پھرتی تھیں، غلام اور کنیزیں باغ کی صفائی میں مشغول تھے۔

باغ کے بیچ میں ایک خوبصورت سی بارہ دری تھی۔ یہاں ہر کمرہ سجا ہوا تھا۔ غلام گردش کے آگے سنگ مرمر کا چبوترہ، چبوترے کے اوپر شامیانہ لگا ہوا تھا۔ اس کی جھالر سفید بادلے کی تھی۔ ڈوریاں کلابتوں کی تھیں۔ اس کے برابر میں صاف پانی کا حوض تھا۔ آسمان صاف تھا، چودھویں کا چاند ہر طرف روشنی بکھیر رہا تھا۔ برسات کی چاندنی یوں بھی قیامت ہوتی ہے۔ چاروں طرف فوارے جاری تھے۔ فوارے کے پانی میں بادلہ کتا پڑا تھا جو پانی کے ساتھ ہوا میں بلند ہوتا اور عجب چمک دمک دکھاتا تھا۔

ملکہ نے شہزادے کو لے جا کے مسند پر بٹھایا۔ حسین لڑکے لڑکیاں خشک میووں، تازہ پھلوں، طرح طرح کی مٹھائیوں اور لذیذ خوانوں کی سینیاں اور خوان لے لے کر دوڑے۔ شہزادے کی خوب تواضع ہوئی۔ پھر گانے بجانے کی محفل جمی۔ ایک سے ایک اچھا گانے بجانے والا وہاں موجود تھا۔ سماں بندھ گیا۔ حسینوں نے ایسے ایسے ناچ دکھائے اور گھنگھرو بجائے کہ سبحان اللہ۔

شہزادے کو خوش پایا تو ملکہ نے سوال کیا "اے عزیز! تمہیں خدا کی قسم، سچ کہو، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو؟"

جان عالم نے مجبور ہو کے سب کچھ صاف صاف بتلا دیا۔ کہا

"ملکہ! میں شاہ فیروز بخت کا لڑکا ہوں، جان عالم میرا نام ہے، ملک ختن کا رہنے والا ہوں۔ فسحت آباد ہماری سلطنت کا صدر مقام ہے۔ میں نے ایک طوطا مول لیا تھا، جو ایسی ایسی باتیں سناتا تھا کہ سننے والے کی عقل دنگ ہو۔ اس کی زبان سے انجمن آرا کے حسن کا قصہ سنا۔ دل بے قرار ہوگیا، گھر بار چھوڑا اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ پھر وزیر اور طوطے سے بچھڑے، طلسم میں گرفتار ہوئے، جادوگرنی سے نقش سلیمانی پانے اور رہا ہونے کا قصہ سنایا اور بتلایا کہ اب میں جلد سے جلد ملک زرنگار پہنچنا چاہتا ہوں۔

ملکہ نے جو یہ قصہ سنا بہت اداس ہوئی، وہ خود شہزادے کو چاہنے لگی تھی مگر تھوڑا بہت اندازہ اس کا بھی تھا کہ یہ کسی اور پر مائل ہے، اب ساری بات خود اس کی زبان سے سن لی تو بالکل مایوس ہوگئی اور آہیں بھرنے لگی۔

شہزادے نے پوچھا" کیا بات، خیر تو ہے؟" جواب میں ملکہ نے اپنے دل کی بات کہہ سنائی کہ تم کسی اور پر شیدا ہو اور ہم تم پر۔ عجب بات ہے کہ جو ہمارے دل کا علاج کر سکتا ہے وہ خود بیمار اور کسی اور کا محتاج ہے۔"

شہزادے نے دلاسا دیا کہ "غم نہ کرو ہم کسی طرح باہر نہیں، جو تمہارا حکم ہوگا بجا لائیں گے مگر جس کام کو پہلے نکلا ہوں اسے پہلے پورا کروں گا۔" جان عالم نے بہت تسلیاں دیں تو ملکہ کے دل سے غم دور ہوا۔

باتوں میں وقت کا پتہ نہ چلا۔ اب صبح ہونے کو تھی، شہزادہ سفر کے لیے تیار ہوا۔ ملکہ کو بے حساب ملال ہوا مگر روک بھی نہ سکتی تھی، بولی "باپ میرا بھی شہنشاہ تھا بہت سے تاج دار خراج دیتے تھے۔ مگر ان کی عادت میں شروع سے درویشی تھی، تخت و تاج چھوڑا، دنیا سے منہ موڑا، شہر چھوڑ کے اس ویرانے کو آباد کیا اور یہاں مکان بنا کے خدا کی یاد میں بیٹھ رہے مجھ سے بہت کہا کہ کہیں شادی کرلو، مگر مجھے اپنے باپ کی جدائی گوارہ نہ ہوئی۔ اگر کوئی ہرج نہ ہو تو چلتے وقت میرے والد سے ملاقات کرتے جاؤ۔"

جان عالم نے کہا بہتر ہے ایک خواص کے ساتھ یہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ نورانی صورت ایک بزرگ بوریا بچھائے یادِ خدا میں مصروف ہے۔ شہزادے نے سلام عرض کیا، اس نے دعا دے کر ہاتھ بڑھایا اور گلے سے لگالیا۔ محبت سے پاس بٹھا کے بولا" ملکہ کا سارا حال ہم پر ظاہر ہے، ہم نے کیسا کیسا سمجھایا مگر اس کی عقل میں کچھ نہ آیا، بڑے بول کا سر نیچا، اب کس کس طرح اس نے تمہاری منتیں کیں مگر تم شادی پر رضامند نہیں ہوئے۔ خیر تم نے جو اس سے وعدہ کیا اگر پورا کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی عنایتوں سے سرفراز کرے گا۔ ہر انسان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دل توڑنا سب سے بڑا گناہ ہے۔"

شہزادے نے سر جھکا کر عرض کیا کہ "آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں، میں بہت مجبور ہوں، جس ارادے سے گھر چھوڑا، شہر سے منہ موڑا، عزیزوں، دوستوں سے بچھڑا، اسے پورا نہ کروں گا تو اپنے پرائے طعنے دیں گے کہ کم ہمت تھا، راستے میں آرام ملا تو بیٹھ رہا، خوف سے منزل تک نہ پہنچ پایا۔ خواہ مخواہ عشق کا دم بھرتا تھا۔"

بزرگ نے فرمایا" شاباش! جیتے رہو، خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے جواں مردی اور ثابت قدمی اسی کا نام ہے۔ تمہارا حوصلہ دیکھ کے امید ہوتی ہے کہ مہر نگار سے جو وعدہ کیا ہے اسے بھی پورا کروگے۔"

اس گفتگو کے بعد بزرگ نے جان عالم کو ایک لوح عنایت کی۔ یہ بھی ایک طرح کا تعویذ تھا۔ اس نے سمجھایا کہ "جب کبھی کوئی مصیبت پڑے اسے کھول کر دیکھ لینا اور جو فال نکلے اس پر عمل کرنا، اللہ تعالیٰ ہر مشکل آسان کردیگا۔ اچھا اب جاؤ، خدا حافظ، تمہارا اللہ نگہبان۔"

لوح لے کے شہزادہ ملکہ کے پاس آیا اور بولا" تو اب ہم رخصت ہوتے ہیں، تمہیں خدا کو سونپے جاتے ہیں۔" ملکہ نے چلنے کی بات سنی اور کلیجہ تھام کر بولی:"جس طرح پیٹھ دکھائے جاتے ہو اس طرح ایک دن منہ دکھائیو کہ جدائی کا غم ہمارے دل سے دور ہو جائے۔"

غرض جان عالم روانہ ہوا، مہر نگار کا روتے روتے برا حال ہوگیا، سہیلیوں نے سمجھایا کہ "مسافر کے پیچھے رونا بدشگونی ہے۔ اللہ وہ دن بھی دکھائے گا جب مسافر صحیح سلامت لوٹ کے آئے گا۔"

خود مہر نگار بھی اپنے دل کو طرح طرح کی تسلیاں دیتی تھیں وہ کسی قابو میں نہ آتا تھا۔ دل بے قرار تھا، آنسوؤں پر کسی طرح اختیار نہ تھا۔ ہر وقت جان عالم کی جدائی میں گھلتی تھی۔

اس کے بعد شہزادہ جان عالم اس ملک میں پہنچا جس کا نام زرنگار تھا وہاں اس پر کیا بیتی، یہ پڑھیے اگلی قسط میں!

شکیل بدایونی

آج کی تازہ خبر

آج کی تازہ خبر
آج کی تازہ خبر
آؤ کاکا جی اِدھر آؤ ماما جی اِدھر
سنو دنیا کی خبر
میں تمھارے لیے دکھ اور خوشی بھی لایا
میں تمھارے لیے آنسو بھی ہنسی بھی لایا
دیکھ لو آج کے انسان کی حالت کیا ہے
آج کی دنیا میں ایمان کی قیمت کیا ہے
لوگ جیتے ہیں یہاں دنیا کو دھوکا دے کر
آج کی تازہ خبر
آج کی تازہ خبر

آج اک بھگت نے بھگوان کا مندر لوٹا
اک بے ایمان نے مسجد میں چُرایا جوتا
کالے بازار کی اک ٹولی پولس نے دھر لی
ایک بوڑھے نے جواں لڑکی سے شادی کر لی
ایک لڑکا اڑا اک میم کا بٹوا لے کر
آج کی تازہ خبر
آج کی تازہ خبر

ایک دھنوان نے آج اپنا دھرم چھوڑ دیا
آج اک بھوکے نے فٹ پاتھ پہ دم توڑ دیا
آج تنخواہ بڑھی ہے تو ہے مزدور مگن
کل سے ہو جائے گا بازار میں مہنگا راشن
بابو جی جائیں گے دفتر میں پکوڑے کھا کر
آج کی تازہ خبر

آج کی تازہ خبر
یوں تو گنپت بھی ہیں جوزف بھی ہیں رحمان بھی ہیں
یہ تو بتلاؤ کہ ان میں کہیں انسان بھی ہیں؟
کوئی روٹی کوئی پیسے کو خدا کہتا ہے
ہر کوئی پاپ کے دھندے میں لگا رہتا ہے
آج بھگوان سے بڑھ کر ہے حولدار کا ڈر
آج کی تازہ خبر
آج کی تازہ خبر

آج امریکہ نے ایٹم کا اڑایا گھوڑا
روس نے آج نیا چاند پے راکٹ چھوڑا
کہیں سے آج کا انسان کہیں پہنچا ہے
پھر بھی سچائی کے رستے پہ نہیں پہنچا ہے
کسے معلوم کہ یہ آدمی جائے گا کدھر
آج کی تازہ خبر
آج کی تازہ خبر
آؤ کاکا جی اِدھر آؤ ماما جی اِدھر
سنو دنیا کی خبر

اظہر افسر

مختصر ڈرامہ

دو دوست

کردار:

ہریش، عمر 22 سال۔ انور 24 سال۔ میاں 40 سال۔ بیوی 30 سال

ایک چھوٹا سا کمرہ جس کے اوپر بھی ایک کمرہ ہے۔ نیچے والے کمرے میں بہت مختصر سامان ہے۔ ایک بان کا پلنگ، ایک تین پیروں والی کرسی، ایک اسٹول، پلنگ کے نیچے ٹین کا رنگین صندوق۔ پردہ اٹھتا ہے تو انور پلنگ پر لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے، دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔

انور: کون (اٹھ کر دروازہ کھولتا ہے) اوہ، ہریش سیٹھ، بھئی کدھر راستہ بھول پڑے۔

ہریش: (اندر آتا ہے) اس وقت میں ہریش سیٹھ نہیں ہوں بھائی صرف ہریش ہوں اور اگر سمجھو تو تمہارا غریب دوست۔

انور: کیسی باتیں کر رہے ہو تمہارے سارے دوستوں میں سب زیادہ مفلس اور غریب کوئی شخص ہے تو وہ میں ہوں۔ آؤ بیٹھو ارے ارے ادھر نہیں اس کرسی کے صرف تین پیر ہیں۔ آؤ اسٹول پر بیٹھ جاؤ، ڈر مت ٹوٹے گا نہیں۔

(ہریش پلنگ پر اور انور اسٹول پر بیٹھ جاتا ہے)

ہریش: (لمبا سانس لیتا ہے) انور!

انور: کیا بات ہے، بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔

ہریش: میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔

انور: کیا راوت گنج چھوڑ دیا۔

ہریش: ہاں اب وہاں ذرا بھی مروّت نہیں رہی اس لیے، اور پھر اس حال میں چھوڑا ہے جس حال میں تم دیکھ رہے ہو، صرف اس ایک کوٹ میں۔

انور: کیا بات ہوگئی۔

ہریش: بات کیا ہوتی بس پتا جی نے کہا گھر چھوڑ دو، میں نے چھوڑ دیا، وہ کہتے ہیں بہت ہوگیا، اب خود کماؤ اور کھاؤ۔ اب تم لڑکے نہیں رہے، بائیس برس کے نوجوان ہو۔ بس میں...

انور: تم نکل کھڑے ہوئے۔

ہریش: اور کیا کرتا۔

انور: یہ تم نے اچھا نہیں کیا، یعنی بہت برا کیا۔ خیر دیکھیں گے، پہلے صرف انور نوکری ڈھونڈھتا تھا، اب اس کا دوست ہریش بھی ساتھ ہوگا۔ دونوں مل کر کام ڈھونڈیں گے۔ خیر یہ تو بتاؤ تم نے کھانا وانا بھی کھایا ہے یا نہیں۔

ہریش: کیا میں ڈپٹی نذیر احمد کا ناول کا کلیم ہوں کہ گھر سے روٹھ کر اپنے دوست ظاہر دار بیگ کے پاس آیا ہوں۔ بھائی میں اپنے عزیز دوست انور کے پاس آیا ہوں۔ اچھا یہ تو بتاؤ نوکری کی تلاش کا کیا حال ہے۔

انور: بس کوشش جاری ہے، بھئی ایک بات یاد آئی میں نے دو مرتبہ انٹرویو کے وقت تمہارے دو سوٹ ادھار لیے تھے وہ اب تک...

ہریش: مل جائیں گے سوٹ بھی، میں اس وقت تم سے اپنے سوٹ مانگنے نہیں آیا۔ یہ بتاؤ گزر بسر کیسے ہو رہی ہے۔

انور: بس کٹ رہی ہے زندگی اپنی۔ صبح دو پڑوس کے لڑکے پڑھنے آ جاتے ہیں۔ فیس میں صبح کا ناشتہ مل جاتا ہے۔ ہاں ذرا جلدی سے بتاؤ تو اس وقت کیا بجا ہے؟

ہریش: ساڑھے آٹھ بجے ہیں، کیوں؟

انور: واہ کیا! اچھے وقت پر آئے ہو یار تم۔ لو ابھی رات کے کھانے کا انتظام ہوا جاتا ہے۔ میرے اس کمرے کے اوپر ایک کمرہ ہے اس منزل میں دو میاں بیوی رہتے ہیں، وہ لوگ کچھ اسی وقت رات کا کھانا کھاتے ہیں۔

ہریش: تو کیا ان لوگوں سے کھانا مانگنے کا ارادہ ہے۔

انور: بھائی مانگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آؤ ذرا باہر آؤ اوپر کی طرف دیکھو۔

میاں: بیوی! او بیوی!

بیوی: کیا ہے؟

میاں: چلو آؤ کھانا کھاؤ۔

بیوی: تم کھالو میں کھالوں گی۔

میاں: آخر تم چاہتی کیا ہو؟

بیوی: کچھ نہیں۔

میاں: کیوں مجھے پاگل بنا رہی ہو۔

بیوی: میں کیوں بناتی پاگل۔

میاں: تو کیا میں خود ہی ہوں۔

بیوی: مجھے کیا پتہ؟ ذرا سوچو تو۔

میاں: کیا؟

بیوی: کوئی اپنے رشتہ داروں سے ایسا سلوک کرتا ہے۔

میاں: آخر کیا کیا ہے میں نے۔

بیوی: میرا بھائی بے روزگار سہی، آوارہ سہی، بیکار سہی مگر تم کو ایسی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

میاں: اچھا ایسی نظروں سے نہیں دیکھیں گے، آؤ کھانا کھالو۔

بیوی: آپ اسے پارک میں جا کر مونگ پھلی کے پڑے بیچنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ چنا چور گرم بیچنے کو کہتے ہیں۔

میاں: تو کیا ہوا۔

بیوی: (زور سے) کیا؟

میاں: اچھا صاحب میں سارے زمانے سے برا ہوں، جاہل ہوں، سب کچھ ہوں، ہٹاؤ یہ کھانا۔

بیوی: لو میں کھانے کے لیے آگئی۔ آؤ کھانا کھالو۔

میاں: اب تم ہی کھاؤ میں بہت کھا چکا تم نے بہت کھلا دیا۔

بیوی: خیر چھوڑیے، آیئے نا، میں نے اپنے ہاتھوں سے کباب بنائے ہیں، سب کچھ میں نے تیار کیا ہے آگے سے میں کچھ نہیں کہوں گی۔ تم میرے بھائی کو جو چاہو کہو۔ آیئے نا۔

میاں: چلو تم بیٹھو چل کے۔

بیوی: اب ایسا بھی کیا منانا۔

میاں: تو کون کہتا ہے منانے کو۔

بیوی: اب آتے ہو یا...

میاں: یا... یا کیا؟

بیوی: یا سارا کھانا اٹھا کے پھینک دوں۔

میاں: ہاں ہاں پھینک دو، مفت کا مال ہے نا، لو تم سے پہلے میں پھینک دیتا ہوں، لو، پراٹھے یہ چپاتیاں۔ (باہر پھینکتا ہے)

بیوی: (ہانپتی ہوئی) اچھا تو یہ لو۔ یہ کباب یہ کٹلٹس بھی یہاں کیوں رہیں۔ ہائے ہائے! میں نے کتنی محنت سے بنائے تھے، کباب (رونے لگتی ہے)۔

انور: لو بھئی تمہارے کھانے کا انتظام ہوگیا۔

ہریش: یہ اخبار کیسا ہے۔

انور: بھئی اخبار تو آج کا ہے مگر میں میاں بیوی کی لڑائی کے وقت یہ اخبار کھڑکی کے نیچے پھیلا کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میرا مطلب ان کی لڑائی کے وقت ہو جاتا ہوں، اور ہوتا رہوں گا۔ اس اخبار میں 'ضرورت ہے' کے بھی کئی کالم ہیں اور اخبار میں جو چیزیں ہیں وہ اوپر والے کی دین ہیں۔
لو آؤ کھالو اور پھر ضرورت کے اشتہار پڑھو، واہ واہ! کیا کیا چیزیں ہیں۔ کباب ہیں، پراٹھے ہیں کٹلٹس ہیں۔

ہریش: بھوک تو بے حد ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا۔

انور: کیوں؟

ہریش: انور تمہیں نہیں پتہ ہے میں تمہارے پاس آنے سے پہلے کہاں کہاں جا چکا ہوں۔

انور: کہاں کہاں جا چکے ہو؟

ہریش: گردھاری لال کے پاس، مہیش چند کے ہاں، جوگندر کے پاس، پہلے تو روز کی طرح ان لوگوں ے میری بات سنی جب معلوم ہوا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر اکیلا نکل آیا ہوں، تو ہر ایک کو اپنے اپنے ضروری کام یاد آ گئے اور سب مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے

انور: خیر چھوڑو ان باتوں کو، کھانے کے وقت ساری دنیا کی فکریں بھول جانی چاہیں۔ یہ میں نہیں حکیم لقمان، جالینوس اور سب بڑے بڑے آدمی کہتے ہیں۔

ہریش: انور جب میں گھر سے نکلا ہوں تو خالی ہاتھ نہیں نکلا۔

انور: اچھا۔

ہریش: یہ دیکھو میرے کوٹ کی طرف، کوٹ کے اندر کی جیبوں میں دونوں طرف نوٹ بھرے ہیں۔

انور: نوٹ؟

ہریش: ہاں پچاس ہزار روپے ہیں۔ تم کہتے تھے نا، روپیہ ہوتا تو کوئی بزنس کرتے لو اب کرو بزنس۔ پچاس ہزار میں سے پچیس ہزار تمہارے ہیں، پچیس ہزار میرے۔

انور: ہریش میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ...کہ...کہ

ہریش: اب کہ کہ چھوڑو میں بھی کوئی کام کروں گا یا بزنس کروں گا تمہارے مشورہ اور روپیہ کمانے کے لائق ہونے کے بعد ہی گھر لوٹوں گا۔

انور: م..م..م میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں تمھارا...خیر پہلے تم کھانا تو کھاؤ۔

ہریش: اب ہم کھانا ان روٹھے ہوئے میاں بیوں کے ساتھ کھائیں گے۔ چلو سیڑھیاں کدھر سے ہیں۔

انور: ادھر سے، ادھر سے۔

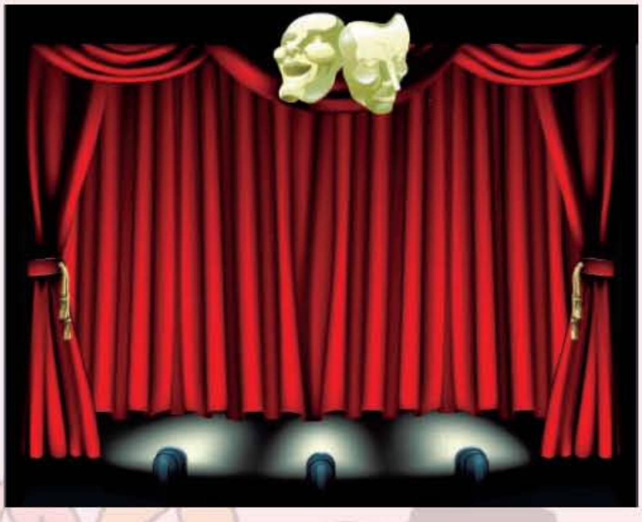

(ہریش اور انور اوپر کی منزل کی طرف دیکھ رہے ہیں)

پردہ گرتا ہے

□ اظہر افسر کے لکھے ہوئے ڈراموں کی کتاب 'بچوں کے ڈرامے' سے ماخوذ، جسے قومی اردو کونسل نے چھاپا ہے

احمد وصی

بچوں کے دوہے

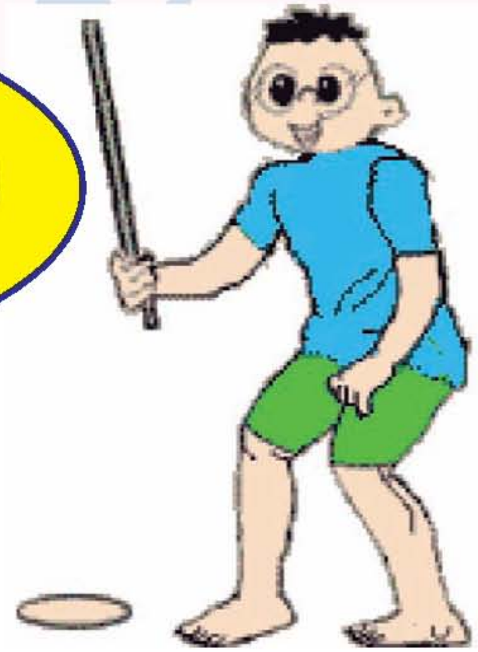

گلی ڈنڈا کھیلیے یا ہاکی فٹ بال
ہر طرح کے کھیل میں حاصل مجھے کمال
چھوٹوں کو پیٹا مگر بڑوں سے پٹ کے آئے
ہلدی مل دی تو نے ماں پھر بھی درد نہ جائے

جو چاہے اس کے لیے کر دے مجھ پر کیس
سب کو لنگڑی مار کے جیتی میں نے ریس
سوکھ گیا ہے دوستو میرے تن کا خون
کیوں میرے ہی واسطے کٹھن ہے ہر مضمون

بیت گیا ہے ایک سال چھوٹ گیا اسکول
کیریکٹر سرٹیفکیٹ دے گا کیا اسکول
فالتو باتیں چھوڑ کے بات سمجھ میں آئی
وہ اچھا ہے علم کی دولت جس نے پائی

◆ احمد وصی کے۔304 منجر نگر پمپ ہاؤس اندھیری ویسٹ ممبئی 400093

■ ادارہ

یہ مزے مزے کی حکائتیں...

♦ بیوی: جس کو سنائی نہ دے اسے انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟
شوہر: جو مرضی میں آئے کہہ لو۔ اسے کون سا سنائی دے گا!؟

شاویز عبداللہ، مالیگاؤں

♦ انڈین: تم امریکی ہو؟
جاپانی: نہیں۔ میں جاپانی ہوں۔
انڈین: نہیں تم امریکی ہو۔
جاپانی: نہیں۔ میں جاپانی ہوں۔
انڈین: میں نے کہا نہ تم امریکی ہو۔
جاپانی (جھلا کر): اچھا میں امریکی ہوں۔
انڈین: پھر تم جاپانی کیوں دکھائی دیتے ہوں؟

فہیم جمال ہاشم، مالیگاؤں

♦ بس کنڈکٹر اور ڈرائیور میں کیا فرق ہے؟
کنڈکٹر سو جائے تو کسی کا ٹکٹ نہیں کٹے گا۔ ڈرائیور سو جائے تو سب کا ٹکٹ کٹ جائے گا۔

قاضی نوید، دھولے

♦ نکاح کے وقت قاضیِ نکاح نے لوگوں سے پوچھا، کسی کو اس نکاح پر اعتراض تو نہیں؟
ایک آدمی نے کہا: مجھے ہے!
قاضی بولا: میاں آپ چپ رہیے۔ آپ دولہا ہیں۔ آپ کو تو زندگی بھر اعتراض رہنا ہے۔

رفیق احمد ہاشمی

♦ دل اگر CPU ہوتا تو سبھی یادوں کو Save کر لیتے۔
دماغ میں پرنٹر ہوتا تو خیالوں کا پرنٹ آؤٹ نکال لیتے۔
سینے میں پین ڈرائیو ہوتا تو دھڑکنوں اور سانسوں کا بیک اپ لے لیا کرتے۔
منہ میں بلیوٹوتھ ہوتا تو باتیں ٹرانسفر کر لیتے۔
آنکھوں میں Web Cam ہوتا تو تصویریں ریسیو کر لیتے۔
کاش، زندگی ایک کمپیوٹر ہوتی تو اسے ری اسٹارٹ کر لیتے!

رضوان احمد۔ اورنگ آباد، مہاراشٹر

♦ تمہارے پاپا کیا کرتے ہیں؟
جی، وہ روز گالیاں کھاتے ہیں
کیا مطلب؟
دراصل وہ کسٹمر کیئر ایگزیکٹو ہیں!

رضوان الدین انعامدار، بیڈ

♦ جج: تمھارا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ کل تمھیں اس جرم میں پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔
ملزم: وہ تو ٹھیک ہے، مگر اتارا کب جائے گا۔ آخر مجھے اپنی دوکان بھی کھولنی ہوتی ہے۔

سید فیروز تنبولی، پربھنی

♦ ڈاکٹر کے پاس عورت ہاتھ کی پھنسی دکھانے آئی۔ ڈاکٹر نے پھنسی دیکھی اس پر دوا لگائی اور بولا: خدا کا شکر ہے کہ آپ آج ہی پھنسی دکھانے آ گئیں!
عورت گھبرا کر بولی: کیوں، خیر تو ہے۔ کیا مرض خطرناک ہے؟
ڈاکٹر نے کہا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ کل تک یہ پھنسی اپنے آپ ٹھیک ہو جاتی، اور میری فیس کا نقصان ہو جاتا!

عبدالرحمان محمد یاسین، مالیگاؤں □

حفیظ الرحمٰن انصاری

کرکٹ کے مہاراجہ

رنجیت سنگھ عرف رنجی

کرکٹ میں دل چسپی ہے تو آپ نے رنجی ٹرافی کا نام ضرور سنا ہوگا۔ جانتے ہیں اس کرکٹ مقابلے کو یہ نام کس کے نام پر دیا گیا ہے؟ آج ان اسی عظیم شخصیت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ان کا پورا نام کمار شری رنجیت سنگھ تھا۔ لوگ ان کو پیار سے جام صاحب آف نوانگر بھی کہتے تھے۔ کچھ لوگ صرف رنجی بھی کہا کرتے تھے۔ کاٹھیاواڑ کے ایک قصبہ Sarodar میں 9 اگست 1872 کو رنجی ایک کسان خاندان میں پیدا ہوئے۔ اگر چہ کہ ان کے والد کا تعلق وہالک شاہی خاندان سے تھا لیکن اپنی پسند کے مطابق انھوں نے کھیتی کو ذریعہ معاش بنایا۔

اسی خاندان میں وبھاجی ان کا گارجین تھا۔ 1907 میں انھیں نوانگر کا راج سنگھاسن سونپا گیا تھا۔ نوانگر کے محل میں رنجیت سنگھ جی نے

ان کی ابتدائی تعلیم کا آغاز Bombay Presidency College سے ہوا۔ پھر College of Prince سے ہوتے ہوئے University of Cambrige

کورٹ میں حاضری کے لیے انھیں لندن سے وطن بھی آنا پڑا۔ اتنے سارے بھرے پورے خاندان میں وبھاجی ہی ان کا سچا ہمدرد تھا، وبھاجن نے ان کے قیام لندن اور دوران تعلیم تمام اخراجات برداشت کیے۔ لیکن جب رنجیت سنگھ جی کیمبرج کے وکالت امتحان میں ناکام رہے تب وبھاجن کو مجبوراً انھیں انڈیا بلانا پڑا۔

رنجیت سنگھ جی نے Indian Chamber of Princes میں چانسلر بن کر League of Nations میں ہندوستان کی نمائندگی بھی کی ہے۔

2 اپریل 1933 کو آخری سانس لی۔

راجاؤں مہاراجاؤں اور بادشاہوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا شوق یا رواج عام تھا۔ رنجیت سنگھ کا خاندان بھی اس سے نہ بچ سکا۔ چنانچہ انھیں اپنے سگے اور سوتیلے بھائی بہنوں یا رشتہ داروں سے ایک لمبی لڑائی لڑ کر راج گدی حاصل ہوئی تھی۔ بعض اوقات

(کیمبرج) تک اپنی تعلیمی سفر جاری رکھا۔ کیمبرج یونیورسٹی کے پرنسپل چیسٹر میک ناٹن Chester Mac Naghten رنجیت سنگھ سے بہت ہی زیادہ متاثر تھے۔ ایک بار چند باشعور طلبا کے ساتھ میک صاحب رنجیت سنگھ جی کو Surrey اور آسٹریلیا کا کرکٹ میچ دکھانے لے گئے۔ وہاں آسٹریلین کھلاڑی چارلس ٹرنر نے رنجیت سنگھ جی کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ اس مقابلے میں ٹرنر نے بلے بازی اور گیند بازی میں غضب کا پرفارمنس دیا تھا۔

رنجیت سنگھ اپنے 90فی صد اسٹروکس، بیک فٹ پر کھیلتے تھے۔ لیگ گلانس ان کا مخصوص شاٹ تھا۔ لیکن Cuts اور Pulls بھی شاندار ہوا کرتے تھے۔ پچ Pitch کے رجحان کو پرکھ کر بلے بازی میں ضروری تکنیک لانا خوب جانتے تھے۔ وہ Slow Right Arm گیند بازی کرتے تھے۔ کرکٹ کے علاوہ ٹینس بلیرڈ اور فوٹوگرافی کا بھی انھیں شوق تھا۔ ان کو ٹیسٹ کیپ 105۔ 24 جولائی 1902 کو ملی۔ مشہور کرکٹ مبصر نے ان کے متعلق "The mid Summer Night's dream of Cricket" لکھا ہے۔ جون 1891 میں ان کی ملاقات کوچ Daniel Hayward سے ہوئی۔ انھوں نے رنجیت سنگھ جی کو بلے بازی اور گیند بازی میں بام عروج تک پہنچادیا۔

لندن وکیمبرج میں قیام کے دوران رنجیت سنگھ جی کو بلی مرڈوچ اور Simmon جیسے جاں نثار اور وفادار دوست ملے۔ اسی طرح ٹرینیٹی کالج میں رام سنگھ جی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ناسازگار حالات میں جب رنجیت سنگھ جی کو ہندوستان لوٹنا

پڑا تب ان تین افراد نے وبھاجی کو قائل کیا کہ اب بھی رنجیت سنگھ میں کافی کرکٹ ہے اور ہمارے ملک کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ وبھاجی صرف اس بات پر رضامند ہوئے کہ لندن کے تمام اخراجات رنجیت خود برداشت کریں تب ہی دوبارہ لندن جانے کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ ان کو Sussex نے بہترین تنخواہ پر معاہدہ بند کیا اور انھوں نے پوری توجہ کرکٹ پر مرکوز کردی۔

ہندوستان میں رنجیت سنگھ جی نے 'رنجی کرکٹ مقابلوں' کا بہترین تحفہ دیا تو برطانیہ میں Sussex اور دیگر کاؤنٹیز کو شہرت کے ساتویں آسمان تک پہنچادیا اور اس طرح خوبصورت لیگ گلانس کھیلنے

والے سلو رائٹ آرم گیند باز کو کرکٹ میں دوبارہ زندگی ملی۔ ایک انگلش مبصران کے بارے میں لکھتا ہے۔ صرف سائڈ میں رنجیت سنگھ کا نام دیکھ کر ہی لوگ Booking Counter پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ انھوں نے Sussex کے علاوہ انگلینڈ کی قومی ٹیم میں شامل ہوکر MCC اور آسٹریلیا کے خلاف بہت سارے یادگار میچ کھیلے ہیں۔

ہندوستان میں رنجی کا آغاز: بورڈ آف کنٹرول آف کرکٹ ان انڈیا BCCI کی منظوری سے 35-1934 سال سے برٹش انڈیا میں رنجی ٹرافی کا آغاز ہوا۔ اولین مقابلے میں مہاراجہ آف پٹیالہ (راجہ بھوپندر سنگھ جی) نے گرانقدر ٹرافی عنایت کی تھی۔ مہاراجہ اس وقت کافی قدآور راجہ تھے اور کرکٹ میں دلچسپی بھی رکھتے تھے۔ شامل ہونے والی ٹیمیں اپنی علاقائی ایسوسی ایشن کی منظوری کے بعد بھی رنجی میں حصہ لیتی تھیں۔ اس زمانہ میں مندرجہ ذیل ٹیمیں کافی اچھا پرفارم کرہی تھیں۔

(1) آرمی (2) ناردرن پنجاب (3) سینٹرل انڈیا (4) نارتھ ویسٹ فرنٹیر (5) یونائیٹڈ پراونسز (6) ایسٹ پنجاب (7) سندھ (8) ہولکر (9) سدرن پنجاب (10) ناردرن انڈیا۔

ہندوستان کے گھریلو کرکٹ مقابلوں میں رنجی ٹرافی کرکٹ ٹورنامنٹ کو سب سے بڑا درجہ حاصل ہے۔

سیزن 35-1934 کے سیزن سے 2014-2013 کے سیزن تک ممبئی کی ٹیم نے 40 بار رنجی ٹرافی چیمپئین شپ جیتی ہے اور 1958 سے 1972 تک وہ مسلسل 15 بار یہ خطاب حاصل کرچکی ہے۔ موجودہ چیمپئین کرناٹک کی ٹیم ہے جس نے پچھلے سال ممبئی کو ہرا کر یہ خطاب جیتا تھا۔

مقابلوں کا فارمیٹ : سیزن 02-2001 تک 5 زون مقرر تھے۔ ایسٹ زون، ویسٹ زون، نارتھ زون، ساؤتھ زون اور سینٹرل زون۔ زونل ٹیمیں لیگ اور ناک آؤٹ مراحل سے گذر کر سیمی فائنل تک رسائی حاصل کرتی تھیں۔

2002 کے بعد فارمیٹ معمولی سا تبدیل کیا گیا۔ زونل ٹیموں ہی کو Elite Group اور Plate میں تقسیم کردیا گیا۔ ان دونوں گروپ میں سب گروپ ٹیمیں Round Robin طرز سے مقابلے کرتی تھیں۔ ہر گروپ سے دو بہتر ٹیموں کو آگے مختلف مرحلوں سے گذر کر فائنل جانا ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد Elite Group اور Plate Group کو ختم کرکے A-B-C تین گروپ میں تمام علاقائی ٹیموں کو تقسیم کردیا گیا۔ گروپ وائز لیگ مقابلوں اور ناک آؤٹ سے گذر کر دو بہترین ٹیمیں فائنل میں ٹکراتی تھیں۔

پوائنٹس سسٹم: (A) رنجی میں فاتح کو 6 پوائنٹ (B) دس وکٹوں یا اننگز سے جیتنے والی ٹیم کو مزید بونس پوائنٹ (C) خراب موسم یا کسی مشینی تکنیکی خرابی سے مقابلہ نہ ہونے پر دونوں ٹیموں کو 3-3 برابر کے پوائنٹس (D) اننگز میں لیڈ حاصل کرنے والی ٹیم کو 3 پوائنٹ جب کہ لیڈ کھونے والی ٹیم کو ایک پوائنٹ دیا جاتا رہا۔

رنجیت سنگھ جی کے ریکارڈز:

	ٹیسٹ کرکٹ	فرسٹ کلاس کرکٹ
میچ	15	307
رنز بنائے	989	24692

بلے بازی کا اوسط	44.95	56.37
50/100	6/2	109/72
سب سے بڑا انفرادی اسکور	175	285 ناٹ آؤٹ
گیندیں کیں	97	8056
وکٹ	01	133
گیند بازی کا اوسط	39	34.59
اننگز میں 5 وکٹ	----	5 بار
بہترین گیند بازی	23/1	53/6
اسٹمپنگ/ کیچ	13/0	233/0

رنجی ٹرافی کے انفرادی واجتماعی ریکارڈ:

- 1934 سے 2013 تک بامبے (ممبئی) 40 بار خطاب جیت چکی ہے۔ 15 بار مسلسل خطاب بھی جیتی ہے۔
- 94-1993 سیزن میں حیدرآباد، آندھرا مقابلے میں کسی ٹیم کا اعلیٰ ترین اسکور 6 وکٹوں پر 944 رن ڈکلیرڈ ہے۔
- 2010 حیدرآباد اور راجستھان مقابلے میں کسی ٹیم کا سب سے کم اسکور 21 رن ہے۔
- سیزن 49-1948: کسی بلے باز کا مجموعی انفرادی اسکور 443 ناٹ آؤٹ بی جی نمبالکر کا ہے۔
- سیزن 57-1956: بنگال اور آسام مقابلہ میں بالنگ میں انفرادی کارکردگی پریمان جسو پٹیل جی کی ہے انھوں نے 20 رنوں کے عوض 10 وکٹ لیے
- سیزن 95-1994: کسی ایک مقابلے میں گیند بازی میں بہترین کارکردگی انل کمبلے کی ہے (99 رنوں کے عوض 16 وکٹ)
- سیزن 2000-1999: عظیم ترین مجموعی رنوں کا ریکارڈ وی وی ایس لکشمن کا ہے (1415 رن) ایک سیزن میں زیادہ سے زیادہ 8 سنچریوں کا ریکارڈ بھی ان ہی کے نام ہے۔
- وسیم جعفر فی الحال سیزن 14-2013 میں بھی کھیل رہے ہیں۔ ان کا سیزن 1996 سے 2013 تک فی الحال محیط ہے اس میں انہوں نے 32 سنچریوں سمیت 9155 رن بنائے ہیں۔
- کسی ایک سیزن 51-1934 میں وجے مرچنٹ کا بلے بازی اوسط (98.30) سب سے بہتر ہے۔
- اپنے پورے رنجی کیریئر میں راجندر گوئل 85-1958 نے 640 وکیٹس لی ہیں۔

▲ رنجی ٹرافی اور رنجی میچ

تصانیف: رنجیت سنگھ جی کھلاڑی کے ساتھ ادب نواز بھی تھے۔ ان کی دونوں میدانوں میں الگ الگ تصانیف کافی مقبول ہیں۔ ان کی پہلی تصنیف 'مہاراجہ آف نوانگر' ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے حالات زندگی سمیت نوانگر میں راج سنگھاسن کے لئے سیاسی اتھل پتھل کا ذکر کیا ہے۔ آگ کا دریا پار کر کے بھی وہ نوانگر کے راجہ بن سکے تھے۔

ان کی دوسری تصنیف The Jubilee book of Cricket ہے جسے انھوں نے فرائی نامی مصنف کے ساتھ مکمل کیا تھا۔ اس میں کرکٹ اور اس کی تکنیک سے متعلق تبصرے شامل ہیں۔ ◻

◆ حفیظ الرحمٰن انصاری ایس نمبر 76 پلاٹ 55 انصار کالونی
نیا پورہ وارڈ مالیگاؤں ناسک۔ 423203 مہاراشٹر

♦ جل گاؤں کے ایک پبلک اسکول کی 9ویں جماعت کے طالب علم سید افروز ریاض نے مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے چھوٹا سا مضمون بھیجا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

مولانا آزاد 11 نومبر 1888 میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، جبکہ ان کا آبائی وطن دہلی تھا۔ ان کا بچپن وہیں گذرا اور حجاز و مصر میں انھوں نے تعلیم حاصل کی اپنے والد سے اردو، فارسی اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ ہندوستان آنے کے بعد کلکتہ میں رہائش اختیار کی مولانا کا یہ عقیدہ تھا کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ مولانا آزاد نے گیارہ برس کی عمر میں 'نیرنگ آزاد ' کے ذریعہ دنیائے صحافت میں قدم رکھا۔ اس کے بعد کلکتہ کے ہفت روزہ اخبار میں' الصباح ' کے مدیر بنے 1910 میں احسان الاخبار سے اور پھر لسان الصدق اور الندوہ کے ادارۂ تحریر سے وابستہ رہے۔ مولانا نے 1912 میں کلکتہ سے اپنا ذاتی اخبار 'الہلال' نکالا اور اس کے بعد 'البلاغ' جاری کیا ملک وقوم کو سیاسی غلامی سے نجات دلانے کے لیے اپنی تحریروں اور تقریروں سے بیداری کی لہر پیدا کی۔ 1916 میں پہلی بار گرفتار ہوئے اور احمد نگر قلعہ میں آپ پنڈت نہرو اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ نظر بند رہے۔ قید تنہائی میں آپ نے ترجمان القرآن، تذکرہ اور غبارِ خاطر جیسی کتابیں لکھیں۔ آزادی کے بعد مولانا 1947 سے 1958 تک وزیر تعلیم رہے۔ حکومت نے ان کے یوم پیدائش یوم تعلیم کے نام سے منانے کا فیصلہ کیا۔ 22 فروری 1958 میں دہلی میں مولانا آزاد انتقال ہوا۔ مولانا کے انتقال کے بعد 1992 میں بھارت رتن کے اعزاز سے نوزا گیا۔

♦ اسی اسکول کی آٹھویں جماعت میں پڑھنے والے غلام اویس نے فٹ بال کے بارے میں یہ معلومات جمع کرکے بھیجی ہے۔ اس کھیل کا آغاز انگلستان میں ہوا۔ 1863 میں انگلش فٹ بال ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی گئی۔ 1904 میں عالمی فٹ بال فیڈریشن کی بنیاد پڑی۔ ہندوستان نے پہلی مرتبہ 1948 میں لندن میں منعقدہ اولمپک فٹ بال کے مقابلوں میں شرکت کی۔ اس کھیل کا میدان مستطیل نما ہوتا ہے۔ میدان کی لمبائی 90 سے 120 میٹر اور چوڑائی 45 سے 90 میٹر تک ہوتی ہے۔ فٹ بال میچ دو حصوں میں ہوتا ہے۔ ہر حصہ 45 منٹ چلتا ہے۔ بیچ میں 5 یا 10 منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ فٹ بال کے گول پوسٹ کی اونچائی 2.44 میٹر ہوتی ہے۔ دونوں گول پوسٹ 7.32 میٹر کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔

رنگ برنگ

ابوالفضل انکلیو نئی دہلی کے محمد حذیفہ ▲ اور نمبالکر کی تہمینہ ▼ کی ڈرائنگ

ذہنی آزمائش

نام ڈھونڈیے:

نیچے دیے گئے حروف میں اردو کے پندرہ مشہور فلمی شاعروں کے نام چھپے ہوئے ہیں۔ ہر نمبر کے ساتھ ترتیب وار لکھے ہوئے حروف کو ٹھیک سے جوڑ کر اُن کے نام تلاش کیجیے۔

1۔ اب پ دس ل ھ و ی 2۔ آ ب خ ڈ ش ن ن ی 3۔ اا ت ث ج خ ر ر ن ں 4۔ ا ت ج خ د ر و ے 5۔ پ ت ج ح ر ر س و ی ے 6۔ اب ڈ ش ک ل ن و ی ی ی 7۔ اج د ر ر ر ش ک ن ن 8۔ اا ج خ د ر ع ل م ں ہ ہ ی ی 9۔ اا ح د ر س ل ن و ھ ی ی 10۔ اا ب د ر س ش ل م ہ ہ ی ٰی 11۔ ا ظ ع ف ک م ی ی ے 12۔ ا ر ز گ ل 13۔ ا پ ج ح ر ر س ط ل م ن و و ی 14۔ اا ڈ ض ف ل ن ی 15۔ ا پ ر ش ق ل ل ن و ء ی

دس لفظ

اردو میں استعمال ہونے والے ان دس لفظوں کے صحیح معنی تلاش کرو:

1۔ آلودگی: آلو کی ترکاری/اولاد کی ترقی/غلاظت پھیلنا/بارش میں نہانا

2۔ آبگینہ: پانی کا بلبلہ/آب دار چمکیلا موتی/شیشہ/کٹورہ

3۔ بلاغت: بالغ ہونا/ہنسی مذاق کرنا/جھوٹ بولنا/موقع کے مطابق بات کرنا

4۔ بلدیہ: کسی چیز کو اینٹھنا یا بل دینا/میونسپل کمیٹی یا میونسپل کارپوریشن/کس بل نکال دینا/جلدی مچانا

5۔ تدفین: کپڑے بدلنا/معاملہ رفع دفع کرنا/ایک قسم کا ساز/دفن کرنا

▲ اس شمارے کی تصویر

6۔ پرخاش: ان بن، لڑائی/خارش/کھجلی/الرجی

7۔ تذلیل: زلزلہ/لذت دار/عزت بڑھانا/ذلیل کرنا

8۔ لحد: قبر/حد سے آگے/ڈر، خوف/لوح یا تختی

9۔ لرزش: ہلکی بارش/کپکپی/بھونچال/ابلنا

10۔ افتاں و خیزاں: تیزی سے دوڑنا/ہنگامہ کرنا/کم سنائی دینا/گرتے پڑتے چلنا

اردو کے فلمی شاعر: 1۔ اسد بھوپالی 2۔ آنند بخشی 3۔ جاں نثار اختر 4۔ جاوید اختر 5۔ حسرت جے پوری 6۔ شکیل بدایونی 7۔ راجندر کرشن 8۔ راجہ مہدی علی خاں 9۔ ساحر لدھیانوی 10۔ شمس الہدیٰ بہاری (ایس ایچ بہاری) 11۔ کیفی اعظمی 12۔ گلزار 13۔ مجروح سلطان پوری 14۔ ندا فاضلی 15۔ نقش لائل پوری

دس لفظ: 1۔ غلاظت پھیلنا 2۔ شیشہ 3۔ موقع کے مطابق بات کرنا 4۔ میونسپل کمیٹی یا میونسپل کارپوریشن 5۔ دفن کرنا 6۔ ان بن، لڑائی 7۔ ذلیل کرنا 8۔ قبر 9۔ کپکپی 10۔ گرتے پڑتے چلنا۔

اردو Facebook

• میں پچھلے تین مہینوں سے 'بچّوں کی دنیا' رسالہ پڑھ رہی ہوں۔ اس میں شامل چیزیں قابل تعریف ہیں۔ مجھے کہانیاں اور نظمیں پسند آئی ہیں۔ میرے والدین اور میرے سبھی ٹیچر ہمیشہ پڑھائی میں میری رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور ہم سب کو صحت منداور خوش رکھے۔

غازی ثانیہ انجم، جماعت چہارم، حاجی مخدوم اردو پرائمری اسکول، دکھی نگر، جالنہ

• میں عائشہ فرح آٹھویں کلاس کی طالبہ ہوں ۔ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہم بچوں کے لیے ہماری مادری زبان میں بہت ہی خوب صورت اور معلوماتی ماہنامہ جاری کیا ہے۔ وہ بھی صرف دس روپے میں۔ انکل ہمارے یہاں کے اسکولوں میں اردو کی پڑھائی تبرک کے طور پر ہوتی ہے۔ گھر میں والدین کی تاکید سے اردو جان سکی ہوں۔ میرے والد کو اردو سے کافی لگاؤ ہے۔ اسی لیے وہ طرح طرح کی اردو کتابیں اور ماہنامہ 'اردو دنیا' پابندی سے گھر لاتے ہیں۔ 'بچّوں کی دنیا' کے بارے میں انھوں نے مجھے کئی ماہ پہلے بتا رکھا تھا، اور اس کا میں بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ جب یہ سامنے آیا تو بہت خوشی ہوئی۔ اسے دیکھ کر اردو سے میری دل چسپی اور بڑھی، اور معلومات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں اپنے اور اردو کے بہتر مستقبل کی خاطر اپنے سبھی ساتھیوں کی دوستی 'بچّوں کی دنیا' سے کراؤں گی تاکہ سلامت رہے 'بچّوں کی دنیا' اور آباد رہیں دنیا کے بچّے۔ ایک گزارش ہے کہ صحت کے تعلق سے فرسٹ ایڈ کی جانکاری کا سلسلہ جاری کردیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ان شاء اللہ آگے بھی خط لکھتی رہوں گی۔ خدا حافظ۔

عائشہ فرح معرفت محمد وسیم اختر محلہ شرافت نگر، پوسٹ بہادر گنج، ضلع کشن گنج، بہار۔ 855101

فرح آپ کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ مشورہ اچھا ہے۔ جیسے ہی موقع ملا فرسٹ ایڈ پر مضامین لکھوائیں گے۔ اعزازی مدیر

• ہمارا نام احتشام الحق ہے اور ہم پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔ ہمارے اسکول کا نام اینگلو اردو اسکول پاچورہ ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے لیے اور دوسرے بچوں کے لیے اتنا خوب صورت رسالہ شروع کیا ہے۔ ہماری چھوٹی بہن مریم قدسیہ اور ہم اس رسالے کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور اگلے مہینے کے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔ ہمیں اس میں بڑی رنگین تصویریں، سائنسی معلومات اور لطیفے بہت پسند آتے ہیں۔ وہ لطیفہ تو بہت ہی اچھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ''اللہ اور ڈاکٹر کو کبھی ناراض نہ کرنا کیونکہ اللہ ناراض ہوتا ہے تو ڈاکٹر کے پاس بھیج دیتا ہے اور ڈاکٹر ناراض ہوجائے تو اللہ کے پاس بھیج دیتا ہے۔'' آج تک یاد ہے۔

احتشام الحق، درجہ 5، اینگلو اردو اسکول پاچورہ

دو ضروری باتیں

اچھا بھئی ایک بات کا خیال رکھنا ہے۔ ای میل پر اپنی تصویر کے کیپشن میں اپنا نام ضرور لکھیں۔ ہمارے پاس بہت سی تصویریں ہیں جن پر صرف کیمرے کے نمبر ہیں۔ کمپیوٹر فائل میں خط اور تصویریں گڈ مڈ ہونے کی وجہ سے انھیں چھاپنا مشکل ہے۔ اس لیے اب انھیں دوبارہ نام کے ساتھ بھیجیں! کیونکہ خط کے ساتھ غلط تصویر چھپ گئی تو آپ کو شکایت ہوگی۔

ایک ضروری عرض قلم کاروں سے۔ براہ کرم اپنی تخلیقات میں آسان اردو استعمال کریں۔ مشکل لفظ بہت ضروری ہو تو اس کا مطلب ضرور سمجھا دیں۔ کبھی کبھی تو مشکل لفظ ہٹاتے ہٹاتے ہم عاجز آجاتے ہیں۔

مدیر اعزازی